”لل دید اور نندہ ریشیؒ“

کا

تاریخ ساز کارنامہ

موہن لال آش

للہ دید اور نند ریشیؒ

کا

تاریخ ساز کارنامہ

موہن لال آش

نام کتاب : کشمیریت

مصنف : موہن لال آتش

اصلی سکونت : بجبہارہ، کشمیر

حال : درگانگر، سیکٹر ا۔ جموں

قیمت : Rs.275

کمپیوٹر کمپوزنگ : دلیپ کمار شرما۔ موبائل 9419286621

کتابت : ...... موتی لال رینہ واکی وہار ریلوڑہ جموں 2596093

سرورق : پیارے لال سدیشی

پریس : جے کے آفسیٹ پرنٹرس۔ جامعہ مسجد دھلی

سالِ اشاعت : 2005

ملنے کا پتہ

ا۔ موہن لال آتش۔ درگانگر سیکٹر۔ ا، پن 180013 فون: 2592448

۲۔ کتاب گھر۔ کلچرل اکادمی۔ جیول چوک جموں

۳۔ کتاب گھر۔ بڈشاہ چوک۔ سرینگر

حرفِ اوّل

اگر ہم عالمی سطح پر اقوامِ عالم کا سیاسی، سماجی اور تمدنی گراف دیکھیں تو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ ہر ملک اور قوم تناؤ اور افراتفری میں جی رہی ہے۔ کسی جگہ امن وسکون نہیں۔ اِس کی وجہ سیاسی، تمدنی اور ثقافتی قدروں کی شکستہ ریخ دیواروں کے نیچے انسانیت کے کچلے جانے اور قدروں کے مِٹنے کا عالم دکھائی پڑتا ہے۔

انسانی تاریخ نامساعد حالات میں چرمرا رہی ہے۔ نظروں میں دھندلاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ سورج کی تپش اِنسانی ڈھانچوں میں آگ برسا رہی ہے۔ انسان سوچنے لگتا ہے کیا کبھی دنیا میں سکون اور فرحت نام کی کوئی چیز تھی بھی یا یہ افسانے تاریخ میں یوں ہی تحریر ہوئے ہیں۔

اس حالت کا تجزیہ صرف تاریخ دان، ادیب، فنکار اور

دانشور ہی کر سکتے ہیں۔ ایک مشہور تاریخ دان ہیروڈوٹس کا کہنا ہے
کہ ان حالات کا تجزیہ صرف ایک تاریخ دان ہی کر سکتا ہے۔ کیوں
کہ اُس کے پاس واقعات کا ایک خزانہ ہوتا ہے۔ وہی فرد اور سماج
کے درمیان تمام معروضی اور غیر معروضی حقیقتوں کا خلاصہ پیش کرتا
ہے۔ وہی کل کے اندھیرے کو آج کی روشنی میں لانے کی طاقت رکھتا
ہے۔ تاکہ سماج کا آنے والا کل صحت مند بنیادوں پر اُستوار ہو
سکے۔'' اسی طرح ایک دانشور اور قلم کار موجودہ حالت کو اندزہ
نہیں کر سکتا۔

آج کا انسان فِکر کے دوراہے پر کھڑا ہے۔ ایک طرف
پانچ ہزار سال کا تاریخی تجربہ ہے۔ دوسری طرف دار و رسن کی
آزمائش منہ کھولے کھڑی ہے۔ ذہنی، روحانی اور فکری سطح پر ایک
ہوش مند اور باہُنر انسان کبھی کبھی اپنے آپ کو کھویا ہوا سا محسوس
کرتا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔ اُس کو
اپنے آپ پر گمان ہوتا ہے کہ کہیں یہ جو دیکھتا ہے، کہیں اُس کا وہم تو
نہیں۔ اُس کو جانکاری کا شیش ناگ ایک سوکھا تالاب جیسا لگتا
ہے۔ اُس کی ہمت ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ وہ سکون کی تلاش میں
در بدر دوڑتا ہے۔

آخر یہ سکون کہاں ہے؟ تو جواب آتا ہے کہ یہ فرحت آپ
کو کشمیریت کے تصور کو اپنانے سے حاصل ہوگی۔ کیوں کہ کشمیریت

ایک فرسودہ تصور نہیں بل کہ جیتی جاگتی ایک حقیقت ہے۔ جب تک
کشمیری زبان زندہ ہے، کشمیریت کا تصور مر نہیں سکتا۔ یہ جنگلی بیل کی
طرح سدا بہار رہے۔ کیوں کہ اس فلسفہ کے ساتھ ہمارے بزرگوں،
سنتوں، ولی کاملوں اور معرفت کے متوالوں کی دعائیں ساتھ
ہیں۔ اس تصور کو بڈشاہ جیسے انسان دوست بادشاہ نے خونِ جگر
پلایا ہے۔ یہ تصور ہر اُس ملک کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے جو ملک
چاروں طرف امن وسکون کی فضا دیکھنے کا متمنی ہو۔ کشمیریت مخصوص
زمینی خطہ کے لیے نہیں بل کہ رواداری، بھائی چارہ، بلا لحاظ رنگ
ونسل جینے کا فارمولا ہے جو انسان سے لے کر عالمی برادری کے
لیے ایک امرت دھارا ہے۔ چوں کہ اِس کا تجربہ کشمیر میں ہوا ہے
اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ کشمیر، اخوت، انسان دوستی
اور بھائی چارہ کا سرچشمہ ہے۔

جب تک ہمارے جذبات کے ساتھ آستھا کے کیندر جُڑے
رہیں گے تب تک یہ فلسفہ بھی زندہ رہے گا۔ آج کے حالات میں
کشمیریت کے تصور کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔ ایک فرقہ خفا ہے کہ
ہم کو ناکردہ گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ دوسرا فرِقہ اس لیے نالاں
ہے کہ ہماری فریاد سننے والا کوئی نہیں۔ نہ ہماری قربانی کا کوئی ثمر نکل
رہا ہے۔ دو فرقے بشری کمزوریوں میں جکڑے ہیں۔ سیاست کی غلط
تاویل ہوئی ہے۔ مگر پھر بھی اہلِ کشمیر کے دلوں سے عشق وطن اور

خلوص و ایثار کو شک کی نگاہوں سے دیکھنا نا انصافی ہے۔

کئی دانشوروں کی رائے ہے کہ آج کشمیر میں pluristic اجتماعی سماج کے بدلے Sectarian سیاست نے جگہ لے لی ہے۔ وہاں صرف ایک ہی فرقے کے زندہ رہنے کی گنجائش ہے۔ دوسرا فرقہ اُس سوسائٹی کے لیے paraciti مہلک جراثیم بن گیا ہے۔ مگر یہ تاریخی سچائی نہیں۔ کشمیری عوام کو آج تک تین بار اپنی وطن پرستی، خلوص اور بھائی چارہ قائم رکھنے کے امتحان سے گزرنا پڑا اور ہر موقعے پر کشمیری قوم اس میں کھری اُتری ہے۔

پہلا امتحان 1947ء کا تھا جب کہ برِ صغیر قتل غارت گری اور فرقہ واریت کے ہولناک حادثے سے گزر رہا تھا۔ مگر کشمیر میں بھائی چارہ اور آشتی کے نغمے گونج رہے تھے۔

ہوند چھ شکر دودھ چھُ مسلم صاف صاف
دودھ تہ بیہِ شکر رلأوِو پانہ وأنی

مہجورؔ

ہندو شکر ہے اور مسلمان دودھ ہے۔ دونوں کو ملاؤ تو پینے کا مزہ چکھ لو۔ مہاتما گاندھی نے جب یہ فرحت انگیز حالت دیکھی تو بے اختیار کہہ اُٹھے کہ مجھے روشنی کی کرن یہاں دکھائی دیتی ہے۔

دوسرا حادثہ موئے مقدس کی گمشدگی کا تھا۔ جب کہ سارا کشمیر بغاوت کی آندھی میں جھلس گیا۔ اُس وقت بھی ہندو مسلم برادری پر

کوئی آنچ نہیں آئی۔

تیسرا واقعہ Book of Knowledge کا تھا جس نے ایوانِ بالا کو ہِلا کر رکھ دیا۔ اُس وقت بھی کشمیریت کی فراوانی قائم و دائم رہی۔ یہاں اقلیتی فرقہ کے کسی بھائی کو گزند نہیں پہنچی۔

ماضیِ قریب میں جو Arms struggle پیدا ہوئی۔ یہ دھماکہ ایسے ہی نہیں ہوا۔ بل کہ اِس کا تجزیہ سیاسی تناظر میں کرنا چاہیئے۔ اس درآمد شدہ سیاسی تحریک کا آر پار کے ایوانوں میں جائزہ لیا جارہا ہے اور اس کی تصیح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

کشمیریت کے تصور کو آج تک بہت بار طوفان کے یلغار نے کمزور کرنے کی کوشش کی مگر یہ سدا بہار درخت ہر آندھی کو برداشت کرگیا۔

جب تک کشمیری عوام کا سانجھا تمدن، سانجھی زبان، سانجھے رسم ورواج زندہ ہیں تب تک کشمیریت کا تصور بھی زندہ رہے گا۔

یہ تصور کشمیر کے لیے ہی نہیں بلکہ عالمی امن، وحدت اور بھائی چارہ قائم کرنے کے لیے ایک امرت دھارا ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ برادری اور انسان دوستی کی یہ مشعل پانچ ہزار سال پہلے روشن ہوئی اور ہماری تاریخ ساز شخصیتوں لل دید اور حضرت شیخ العالمؒ نے اس کو منطقی انجام تک پہنچایا۔ کشمیری عوام اس

وتیستائی تہذیب کے وارثِ جائز ہیں۔ ہمیں اس مشعل کو بجھنے نہیں دینا چاہئے۔ خدا نہ کرے کہ اگر ایسا ہوا تو اہلِ کشمیر کی دانشمندی اور اعلےٰ قدروں پر اُنگلی اُٹھے گی۔ ہمارا تہذیبی محل زمین بوس ہو جائے گا۔ کشمیر کا کوئی بھی صاف فرد اِس کی ہرگز اجازت نہیں دے گا۔

موہن لعل آتش
درگانگر جموں

اظہارِ تشکر

اکیسویں صدی کا آغاز اہلِ کشمیر کے لیے دار و رسن کی آزمائش سے ہوا۔ کئی دِل دہلا دینے والے منظر دیکھنے کو ملے۔ قدروں کی فلک بوس عمارتیں ریت کے گھروندں کی طرح زمین بوس ہو کر رہ گئیں۔ تخیل کی وادیوں میں اِنسانی ڈھانچے تھرکنے لگے۔ رشتے ناطے موجِ کشاکش میں بہہ گئے۔ لطیف جذبات، سادگی اور ماحول کی نغمگی میں چیخیں بس گئیں۔

اسی افسردہ ماحول میں مادرِ وطن کی یاد نے مجھے بے حد تڑپایا۔ مجھے جگت جننی لل دید کا طلسماتی احساس روز بروز بڑھتا گیا۔ ایک نسوانی آواز جس نے اپنے انقلابی واکھوں سے اونچے ایوانوں کو ہلا کے رکھ دیا۔ اپنے محسن حضرت علمدارؒ کشمیر کی یاد آئی جس نے وحدت کے گیت گا کر پژمُردہ روحوں میں تازگی اور حرارت بھر دی۔ جس نے کھلے عام یہ اعلان کر دیا کہ انسان الگ الگ

عقیدوں اور تصورات کی زندگی گزارنے کے لیے قدرتی طور پر تقسیم نہیں ہوا ہے۔ بلکہ یہ اُس نفرت کا نتیجہ ہے جو استحصالی عناصر نے اپنی نجی سوارتھ کے لیے سماج میں عام کردی۔

اس احساس نے مجھے بادِ نسیم کی طرح گھیر لیا۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ ان دونوں تاریخ ساز شخصیات کا ایک مونوگراف تیار کرلیا جائے۔

اس سلسلے میں میں نے اپنے دوستوں، رفیقوں اور ساتھیوں سے قلمی اشتراک کی گزارش کی۔ دہلی، جموں اور سرینگر میں اپنے ہمنوا دوستوں کے نام خطوط روانہ کیے۔ بہت انتظار کے بعد بھی ماسوائے چند رفقا کے کسی نے اس اہم موضوع پر لکھنے کی تکلیف برداشت نہ کی۔

دراصل ہر کوئی ادیب اس وقت ایک روحانی کشمکش اور کرب میں مبتلا ہے۔ آنے والا کل ہر کسی کو پریشان کیے ہے۔ آدمی سوچتا ہے کہ اگر آج کے دِن چار پیسے کما لے ممکن ہے کہ مخدوش سیاسی اور سماجی حالات میں وہ کل کسی آم آئیں۔ اس لیے ہر کسی نے چپ سادھ لی۔

مگر بہت سے دوستوں نے فکرِ فردا کو بھول کر میرے لیے قلم ہاتھ میں تھاما، کسی مالی فائدے کو نظر انداز کر دیا۔ میں ایسے انسان دوست احباب کا شکریہ کیسے ادا کروں۔ مجھے شکریہ کہنے کے لیے صحیح الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔ ہاں میری روح اور میری آتما ان صاحبِ

دل دوستوں کا ہمیشہ احسان مند رہے گا۔

ان کرم فرماؤں میں ڈاکٹر حامدی کشمیری (سابقہ وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی) سیشن جج غلام نبی گوہر صاحب، محترم غلام نبی آتش نافل اننت ناگ، سعید رسول پونپر، ڈاکٹر فاروق فیاض، ڈاکٹر محمد زماں آزردہ کشمیر یونیورسٹی، ڈاکٹر بھوشن لعل کول. ڈی لٹ، رتن لال جوہر صاحب، ولی محمد اسیر صاحب، حسرت گڈھ صاحب، ڈاکٹر اگنی شیکھر جی، جگر ناتھ ساگر جی، شیخ ایس راضی صاحب کا اس لیے ممنون ہوں کہ ان کا مضمون وقت پر تیار نہ ہو سکا مگر ٹیلیفون پر اس کی معذرت چاہی۔ جواہر لعل سرور اور پریم ناتھ شاد کی سراہنا اس لیے کر رہا ہوں کہ ان مخلص دوستوں نے کتاب کی پروف ریڈنگ کر کے میری اس کتاب کو آپ تک پہنچایا۔ اس افراتفری اور بے یقینی صورتِ حال میں بھی کچھ صاحبِ دل، صاحبِ خرد انسان دوست احباب رہ رہے ہیں جن پر سارے سماج کو ناز ہے اور راقم ان محسنوں کا احسان مانتے ہوئے محسوس کرتا ہے کہ "دیارٕ وول مرِ، مگر یار وول چھُنہ مران" یعنی پیسے والا تو مر جاتا ہے مگر جس کے ساتھ دوستوں کی رفاقت شامل ہو، وہ مرتا نہیں۔

خلوص کیش

موہن لعل آشِ

کشمیریت کی تاویل

کشمیریت ہزاروں سال پہلے کا ثقافتی، تمدنی۔ اخلاقی۔ روحانی یسماجی و ادبی فلسفہ ہے جسکو دلل دیدؔ اور علمدارِ کشمیرؒ نے فہم و ادراک کی سربلندی عطا کرکے اہلِ کشمیر کا اپنجاس ETHOS بنایا۔

کشمیریت کسی سیاسی دباو یا مجبوری کا نام نہیں۔ نہ اسمیں تنگ نظری۔ فرقہ بندی یا تعصب کی گنجایش ہے۔ بلکہ یہ رواداری، اخوت، قوت برداشت، بقائے باہم، مختلف الخیال فرقوں کا ایک سنگھٹن ہے۔ جسمیں ہر کسی نظریہ کو پنپنے اور پرا کاشٹا پر پہنچنے کی گنجایش ہے۔

یہ نظریہ کشمیریوں کے شعور، تحت الشعور اور لا شعور میں رچ بس گیا ہے اس فلسفہ کو ترکہ فلاسفی کے ادویت واد (توحید) اور رشی مارگ کے عرفان نے حیات بخشی ہے۔

للہ دیدؔ جو اس کارواں کی سرخیل مانی جاتی ہے۔ ان کی روحانی سربلندی اور سماجی نظریات کا بھرپور حوالہ ہمیں قدیم تاریخ نویسوں میں ملتا ہے۔ جن میں بابا داود شکوانیؒ کی اسرار ابرار ۱۶۵۴ء۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مریؒ کی کتاب واقاع کشمیر (۱۷۴۶ء) حسن کھوہامی ۱۸۳۵ء کی تاریخ حسن۔ باسکر رازدان کی ٹیکا ۱۷۸۹ء سر والٹر لارنس کی کتاب "VALLEY OF KASHMIR"۔ سر جارج گریرسن کی کتاب للہ واکیا ینی ۔ آئینِ اکبری، تزکِ جہانگیری ۔ امریکن رسالہ لایف کا دو سو سال کا مشرقی ادبی جایئزہ جسمیں صرف لل دیدؔ کے ہی ادبی کمالات کا خالص ذکر ہے۔ البرونی نے علمدارِ کشمیرؒ اور رشی مت کی روحانی، سماجی، اخلاقی و ادبی زندگی کی سراہنا کی ہے ۔

نیلہ مت پوران

کلہن نیل مت پوران کے تحریر کا وقت بارہویں صدی کے بہت پہلے کا بیان کرتا ہے۔ جسمیں راجہ نیل ناگ قوم کی رعایا کو حکم دیتا ہے کہ چندر دیو، اب ناگوں کی رسم و رواج سے واقف ہوگیا۔ اب سارے آریہ لوگ ناگوں کی روزمرہ کی سماجی، روحانی اور تمدنی زندگی میں ناگوں کے شانہ بشانہ چلیں گے۔

اور اسی دوران پشاچوں کے سردار نکمپ نے بھی ناگ اور آریوں کی مشترکہ تہذیب میں شامل ہونیکا فیصلہ کرلیا۔ اسطرح یہ معاہدہ ہزار سال پہلے کا تحریر کردہ کشمیریت کی پہلی سیڑھی کی شکل اختیار کرتا ہے۔

راجہ نیل نے ہی سب سے پہلے رواداری کا درس دیا ہے۔ یہ راجا روشن مزاج، جہاندیدہ امن اور آشتی قایم کرنیوالا رعایا پرور راجا تھا۔ اس راجا کے دربار میں بڑے ناگ سردار درباری تھے۔ انکے نام پر آج بھی ڈوڈہ اور کشمیر کے چشمے پر قایم ہیں۔ یہ ناگ سردار واسکھ ناگ، تکھشک ناگ، گودرشن ناگ۔ بنی ناگ، ناگال۔ کالی ناگ، گمان۔ ڈامر ناگ۔ سکھ ناگ۔ کارکوٹ ناگ۔ کوٹھیر ناگ، زیون ناگ وغیرہ مشہور ہیں۔

نیل ناگ اور آریوں کا ملن

نیل ناگ کی دوراندیشی۔ فراخدلی اور بقائے باہم اور اپنے ورثہ کے جایز حقدار ہونیکا ثبوت ہمیں اس وقت ملتا ہے جب راجا نے آریوں کو سارا سال کشمیر میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اور ناگوں کو ان کی رکھوالی کے کام پر لگادیا۔

یہاں سے آگے ہمیں ایسی بے شمار مثالیں اور واقعات دیکھنے میں ملتے ہیں جب

رواداری اور آپسی ملن کا۔ خوبصورت نقشہ ہمارے ثقافتی کنواس پر سجا سجایا ملتا ہے۔

نیل مت کشمیر کی مہانتا۔ پوترتا اور اسکی حرمت و عزت کرنے کیلئے ایسے اشلوک تحریر کرتا ہے جس کے مطالعہ سے آدمی اپنے کو مسحور کن پاتا ہے۔

اگر ہم کشمیر سے پیار کرتے ہیں۔ اس کا تقدس ہمارے دلوں میں ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم کشمیر کی ایک مورتی تیار کریں اور بن بن طرح کے نذرانے اس کے چڑھاوے میں پیش کریں۔ جس میں کپڑے، کھانے کی چیزیں اور پوجا کا سامان ہو۔ یہ شلوک حب وطن کی سندر مثال ہے۔

۲ تین دن تک سجانے کی چیزیں پھول، اگربتیاں، دھوپ وغیرہ نہیں جلانے چاہییں۔ دودھ کا چڑھاوا بھی ان دنوں میں بند ہے۔ پھر خوشبودار پانی سے اس مورتی کو نہلانا چاہیئے۔ یہ نہانے کا کام عورتوں کے ذمے رکھنا چاہیئے۔

ایسا کرنے کے بعد کشمیر کے واسیوں کو نئے سال کی ۔ کشمیر کے بارہ[۱۲] مہینوں، چھ[۶] موسموں ۲۴ پندرھواڑوں ۔ کی پوجا کرنے کے بعد ریشیوں کی پوجا کرنی چاہیئے ۔ جو ریشی اپنے آشرموں میں رہ کر یادِ الٰہی میں مگن ہوتے ہیں ۔

نیل مت پوران میں واضح ہدایت ملتی ہے کہ ناگوں کو آریوں کے ساتھ بہت پیار اور شفقت کے ساتھ پیش آنا چاہیئے ۔ یہ ہدایت ہزاروں سال پہلے کی بیان کردہ عبارت ہے جو نیل مت پوران میں درج ہوئی ہے ۔ کشمیر کے بارے میں درج ہے کہ یہ علاقہ ہمالیہ پروت کا خوبصورت ترین حصہ ہے یہاں جتنے بھی تیرتھ ہیں وہ بھارت کے سارے علاقہ میں بھی نہیں ملتے ہیں ۔

یہاں دیوک ندی ۔ چندر بھاگا اور وِتستا ہے یہ اوُما کے روپ ہیں ۔ ان میں سنان کرنے سے جنموں کے پاپ دھل جاتے ہیں ۔ اس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ کشمیری پرمپرا ۔ اسکی شفقت ۔ اسکے پھول، باغات، پہاڑ، کھیت کھلیان اور دریا سب چیزوں سے ایک عقیدت اور احترام جھلک پڑتا ہے ۔ نیل مت پوران یہ بات انتہائی شردھا اور زور دیکر وضاحت کرتا ہے کہ جب کھیتوں میں دھان کی بوائی کرنیکا وقت شروع ہوتا ہے تو اس دن شبھ مہورت

نکال کر اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر کشمیر کی دھرتی کو پوجنا چاہئے۔ بیلوں، گائیوں شو۔ وام دیو۔ سورج۔ چاند۔ دوابیوں کے دیوتا۔ پارجنا اندر۔ پارشدوں رام لکھشمن۔ اوما۔ سیتا۔ کشپ۔ اگنی۔ وایو۔ آکاش۔ کی شردھا سے پوجا کرنی چاہئیے۔ دھرتی کو پھول مالاؤں سے ڈھک دینا چاہئے۔

اس سے یہ سچائی عیاں ہوتی ہے کہ کشمیر واسیوں کو اپنے وطن سے کسقدر محبت، احترام اور اُنکے دل میں اپنے مادرِ وطن کا تقدس کس حد تک سمایا تھا کہ حکم ہوا ہے کہ بیج بونے سے پہلے کشمیر کی دھرتی کو پھول مالاؤں سے سجا کر اسکی پوجا کرو۔

جب کشمیر کی دھرتی سے پیار اور محبت کی یہ حد ہے تو اس میں رہنے والے لوگوں کو قتل کرتے۔ مار دھاڑ۔ لوٹ کھسوٹ اور آگ زنی کرنیکی اِجازت دینے والا کہاں سے پیدا ہوتا۔

کشمیر میں بیرونی جنگجو قوموں کی آمد

کئی صدیاں گذر گئیں کہ شمال مغربی کوہستانوں میں بسنے والے قبیلوں کو کشمیر کے

حسن اور یہاں کے آباد لوگوں کی کہانیاں سُننے کو ملیں۔ بس پھر کیا تھا۔ شمالی علاقے
سے کشمیر پر حملے ہونے لگے۔ ناگ اور آریوں کی عسکری طاقت نے ان کا مقابلہ کیا۔ ان
جنگجو قوموں میں یکھش۔ درد۔ پشاچی۔ ابھیسار اور کرات وغیرہ شامل تھے مگر
یہ سارے جنگجو ناگ اور آریوں کی مشترکہ کمان سے مقابلہ نہ کر سکے تو پسپا ہو گئے۔
مگر ناگوں اور آریوں نے فراخدلی کا ثبوت دیکر ان کو اپنی سرداری میں شامل کر لیا۔
اسی طرح آریہ فلاسفر منّو نے واضح کیا ہے کہ ایک شور ویر یعنی بہادر آدمی کا قتل کرنا
سب سے بڑا اور عظیم پاپ ہے۔ کسی عالم کو مارنا اُس سے دُگنا اور کسی ناگ قوم کے آدمی کا قتل
اُس سے بڑا پاپ ہے۔ یہ شلوک کشمیر کی رواداری اور انسان دوستی کی لامثال کہانی
دہراتا ہے۔ یہ آپسی ملن محبت اور اخوت کی قندیل روشن ہونے کی علامت ہے۔
رواداری کی نفسیاتی عمل ہزاروں سال پہلے اہل کشمیر کے دلوں میں جوت بنکر جگمگائی
ہے اور آج بھی یہ باطنی عمل اُسی ڈگر پر رواں دواں ہے۔ طوفان کی تیز و تند
موجیں اس مشعل کو بجھا نہ سکیں۔

:- نکمب :-

نکمب پشاچ قوم کا دیوتا تھا۔ پشاچ گوریلا جنگ لڑنے کے ماہر جانے جاتے
تھے۔ جب اُنھوں نے کشمیر پر شمال مغربی دروں سے دھاوا بول دیا تو اہل کشمیر انکے
مظالم سے تنگ آئے اور انکے وجود سے گھبرا اُٹھے۔ انکو کشمیری میں "یچھ" کا نام پڑا۔

क्षात्रियं चैव सर्पं च ब्राह्मणं च बहुश्रुतम
नावमन्येत वै भूष्णुः कृशानपि कदाचन

اہل کشمیر نے انکا سامنا کیا۔ مگر انکو زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر آریہ اور ناگ
سرداروں نے ایک حکمت عملی اختیار کی۔ جو کشمیریوں کے مزاج سے مطابقت رکھتی تھی۔

اُنھوں نے ان خونخوار اور جنگجو سرداروں کیطرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ اس طرح یہ دشمن قبیلے دوست بن گئے اور اُنھوں نے آریہ اور ناگوں کی سرداری تسلیم کی اور یہ قبیلے بھی وادی میں امن اور چین کی زندگی بسر کرنے لگے۔

ناگوں کی رواداری فہم و فراست نے آریوں کو پناہ دی۔ اُن کے ساتھ سماجی اور روحانی بندھن استوار کر کے ایکتا کی بہترین روایت قایم کی۔ اسی طرح ناگوں نے پشاچوں کے دیوتا نکمب کو اپنا روحانی پیشوا قبول کیا۔ اسکے بدلے میں پشاچ۔ درد۔ یکش۔ ابھیار اور کرآت کے جنگجوؤں نے ہتھیار ڈال کر ناگوں کے اشٹھ دیو شنکر کو اپنا دیوتا تسلیم کر کے اُسکی پوجا کرنی شروع کی۔ یہ قدیم کشمیر کے باشندوں کی رواداری اور ایکتا کی حسین مثال ہے

درد قوم سے کشمیری زبان پر گہرا اثر پڑا۔ بہت سے لسانی ماہروں کی رائے ہے کہ کشمیری دراصل دردی سے نکلی ہے مگر اس بات کے زیادہ ثبوت دستیاب نہیں۔ اکثر ماہر لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ کشمیری زبان کا سیدھا تعلق انڈو آرین گروپ سے ہے۔ مگر اس بات سے انکار نہیں کہ دردی زبان کا کشمیری زبان پر کافی اثر ہے۔

کشمیری عوام کی فطری خصلت

البرونی اپنے سفرنامے میں رقمطراز ہے کہ کشمیر میں بہت سنگدل اور ظالم قبیلہ رہتا ہے جنکو "برھاتو" کہتے ہیں۔ انکے سامنے رحم کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے۔ یہ اکثر کالے کتوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ انکو اکثر عدالتوں میں نوکری میں رکھا جاتا ہے تاکہ یہ ملزموں کو پھانسی پر چڑھائیں۔ اکثر امیر لوگ انکی پیٹ ٹھونکتے تاکہ انکو دشمنوں کا صفایا کرنے کے کام میں لگایا جائے۔ مگر کشمیر کے لوگوں کی فراخدلی اور جذبۂ رحم کی یہ انتہا ہے کہ جب یہ لوگ بھی کسی مشکل میں پھنس جاتے۔ تو عام لوگ انکی مدد کرنے کو سامنے آتے۔ اور انکو طوفان کے بھنور سے باہر

نکال لیتے ہے۔

آریہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ناگوں کی مرکزی طاقت پر قابض ہوئے
اس بارے میں پوران اور بدھ دھرم کا لٹریچر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ بدھ مت
کو ماننے والے پہلے لوگ ناگ تھے۔ جاتک کتھاوں میں تحریر ہوا ہے کہ ناگ غیر معمولی
تانترک طاقت کے مالک تھے۔ دراصل ناگ سانپوں کے پجاری تھے۔ پہلے تو ناگوں کو آریوں
سے سخت طاقت آزمائی ہوئی ہے جیسا کہ ارجن اور کرشن کے حوالے سے تحریر ہوا ہے کہ انھوں
نے پریکھشت کو مارنے کیلئے سارے کھانڈو جنگل کو جلا ڈالا۔ آخر میں ناگ اور آریوں میں
صلح وصفائی ہونے کے بعد ارجن نے ناگ راج کورویا" کی لڑکی اُلپی سے شادی کرلی۔
پانڈوں کے مہاربھی چیتروا ہن جو مذہبی پروہت بھی تھا۔ اسکی ماں ناگ قوم سے تھی۔ آریک
جو واسدیو کا دادا تھا وہ ناگ سردار تھا۔

ابوالفضل (۱۵۶۱ - ۱۶۰۵) آئین اکبری میں رقمطراز ہے کہ اکبر کے زمانے میں کشمیر میں
۷۰۰ جگہیں ایسی تھیں جہاں ناگ مت کے دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی۔ بدھ مت جو تیسری
عیسوی صدی میں کشمیر کے طول وعرض میں چھا گیا۔ اس نے آریوں میں پھیلے جات پات کے بندھن
مٹا ڈالے۔ کیونکہ بدھ مت [CLASS LESS SOCIETY] میں اعتقاد رکھتا تھا۔ بدھ مت
کے سامنے ذات پات، رنگ ونسل کی کوئی تمیز نہیں تھی اس فلسفہ کو کشمیر میں عام کرنے میں عظیم
فلاسفر مدھانتک تھا۔ آریوں کے عظیم بخوبی دراہ ہر بھی کشمیر کی تہذیبی وراثت، عقیدے
توہمات، انسانی رشتے معاشرتی اور روحانی زندگی پر سیر حاصل روشنی ڈالتا ہے۔ یہ کتاب
کشمیر میں بسنے والے بیرونی دنیا کی قوموں مثلاً ابھیسار - دردِ - درواس۔ کھش اور
کرات وغیرہ کی روحانی، سماجی اور معاشرتی زندگی کا بریورحوالہ دیتا ہے۔ یہ باہری قومیں
آریوں اور ناگوں کے حسن سلوک کی وجہ سے بہت سکون سے دن گذارتے ہیں۔

مدھیانتک اور اسکے ساتھ عالموں کی ایک کثیر جماعت نے کشمیر میں بدھ مت کا پرچار کیا۔ لوگ چونکہ ذات پات کے بندھن سے کافی تنگ آئے تھے۔ اس لئے جوق در جوق بدھ مذہب میں شامل ہوئے جگہ جگہ بدھ خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔

کنشک کا زمانہ :۔

پہلی صدی عیسوی میں کنشک کے دور حکومت بدھ مت کو زیادہ عروج حاصل ہوا۔ کیونکہ کنشک خود بھی بدھ کا پیرو تھا اور قابل حکمران و رعایا پرور بھی۔ اسکے دور حکومت میں کنزلون کے مقام پر عالمی بدھ کانفرنس ہوئی جو تقریباً تین ۳ مہینے تک چلی۔ "ہین یان" اور مہایان فرقے بن گئے۔ اسی کانفرنس میں یہ فیصلہ لیا گیا۔ کہ کشمیر کے عالم جنوب مغربی ایشیا میں مہاتما بدھ کی تعلیم کا پرچار کریں گے۔ جب بدھ مت کی کافی ترویج ہوئی تو چینی سیاحوں نے اپنے اشٹ دیو کی جائے پیدائش۔ گیان پراپت ہونے اور تپسیا میں سدھی حاصل کرنے کے مقامات کا درشن اور خاصکر کشمیر آنے کا ایک خواب دل میں سمائے۔ یہ سیاح کشمیر کے مقدس مقامات اور لوگوں سے میل جول پیدا کرکے نیز بدھ کے بارے میں لکھی گئی سنسکرت کتابوں کا مطالعہ کرنے کیلئے وارد کشمیر ہوئے۔ سب سے پہلا چینی سیاح فاہیان ۴۰۴۔۴۰۲ عیسوی میں کشمیر آیا۔ اس نے بدھ خانقاہوں کی زیارت کی۔ وہ لکھتا ہے کہ کشمیر میں ۳۶۰۰ بودھ خانقاہیں ہیں۔ ناگ، پشاچ اور آریہ بدھ مت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

فاہیان، ہیون سانگ اور اوکانگ

فاہیان نے اپنی کتاب میں دوسرے ماخذوں کا سہارا لیکر ۱۷۰ واقعات درج کئے ہیں۔ اسکے علاوہ کشمیر کی علمی فضیلت اس بات سے عیاں ہوتی ہے کہ کمار جیو جو مشہور بودھ

عالم اور دانشور تھا۔ نے کشمیر میں پانچ سال رہ کر "سرواستوادی"۔ بودھ فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ پانچویں صدی تک کشمیر میں بدھ مت کافی زوروں پر تھا۔ خاصکر یہاں مہایان فرقے نے علم وادب میں کافی ترقی کی۔

ہیون سانگ نے سرینگر میں ایک مشہور بدھ عالم جینیدر سے "شونیہ واد" کی تعلیم حاصل کی۔ چین کے مشہور شاہی خاندان "تانگ" کے تواریخ میں درج ہے کہ چیدر اپیڈ اور للتادت مکتاپیڈ نے اپنے سفیر چین بھیج دیے۔ اس تاریخ میں مہاپدم سر اور کشمیر کی راجدھانی کا تفصیل سے تذکرہ ملتا ہے۔

کشمیر کی مکمل جانکاری ہمیں اوکانگ کے حوالے سے ملتی ہے۔ اس کا سفرنامہ معلومات کا خزانہ ہے۔ اوکانگ ۷۵۹ عیسوی میں کشمیر پہنچا۔ یہ لکھتا ہے۔ کشمیر میں تین سو سے زیادہ بودھ وہار ہیں۔ اس نے اپنے سفرنامے میں بہت سے ستوپا اور بدھ کی مورتیوں کا ذکر کیا ہے یہ لکھتا ہے کہ کشمیر قدرت کی کاریگری کا بہترین کارنامہ ہے یہ چاروں اطراف پہاڑوں سے گھیرا ہوا علاقہ ہے جو اسکے مضبوط فصیلوں کا کام دیتے ہیں کشمیر میں داخل ہونے کے تین درے ہیں مشرق کا راستہ "توپھان" شمالی درہ "پولیتھ" بلتستان کو جاتا ہے۔ جو راستہ مغرب کو جاتا ہے وہ کین تولویلانے" گاندھار کو جاتا ہے۔ یہ تینوں راستے آج بھی موجود ہیں۔ پہلا راستہ زوجیلا سے لداخ اور تبت کو جاتا ہے۔

اوکانگ کا سفرنامہ تاریخی اعتبار سے اس لئے اہم ہے کہ یہ کلہن کی "راج ترنگنی میں تحریر کردہ تعمیرات کا خود مشاہدہ کرتا ہے۔ کلہن راجہ جلوک کے متعلق تحریر کرتا ہے کہ اس نے "کرتی آشرم" تعمیر کیا۔ اوکانگ نے اس وہار کا ذکر "کی چے" نام سے کیا ہے۔ دراصل یہ وہار میگواہن کی رانی امرت پربھا نے غیر ملکی بھکشو سادھوں اور سفیروں کیلئے تعمیر کیا تھا۔

امریت بھون کی موجودہ صورت "وونتہ بھون" نام سے مشہور ہے جو سرینگر کا ایک محلہ ہے۔

کلہن تحریر کرتا ہے کہ اس نیکدل راجانے "کھمتا سوامن" کا مندر اور ایک بڑا ستوپ تعمیر کیا۔ اوکانگ اس ستوپ کا ورنن" مونگ۔ تی۔ وہار" نام سے کرتا ہے۔ دراصل اوکانگ اپہ بھرمش بھاشا کا سہارا لیکر کشمیری ناموں کو چینی بھاشا کے قریب لانے کی کوشش کرتا ہے۔

اوکانگ جب کشمیر آیا تو سب سے پہلے وہ اس وہار میں پہنچا جو للتادت مکتا پیڈ نے تعمیر کیا تھا۔ اوکانگ مکتا پیڈ کا کو اونگ مونگ تی لکھتا ہے اور اس کے بعد ۶۳۱ عیسوی میں دو[2] چینی سیاح فاھیان اور ہیون سانگ کشمیر پہنچے۔ ان دونوں نے کشمیر کی خوبصورتی، یہاں کے لوگوں کی مہمان نوازی اور ٹھنڈے مزاج ہونے کی گواہی دی ہے۔ فاہیان اپنے سفرنامے میں رقمطراز ہے کہ کشمیر کی ایک ہیروں کی پیالی جیسی ہے اور اسکے چاروں طرف اونچے برفیلے پہاڑ مانو اسکی رکھوالی کے لئے کھڑے ہیں۔ ہیون سانگ نے بھی تقریباً ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے اس نے سرینگر کی خوبصورتی، وِتستا کے بے داغ پانی۔ لوگوں کی مہمان نوازی۔ عالموں کی قدردانی۔ اور خاص بات یہ کہ کشمیر کے لوگ مہمان نواز تو ہیں ہی مگر یہ مہمانوں کے آنے کے منتظر رہتے ہیں۔ تیسرا چینی سیاح اوکانگ کشمیر میں دراصل سنسکرت ادب کا مطالعہ کرنیکو آیا تھا۔ اس نے بھی کشمیر کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کشمیر کے لوگ صلح جوئی۔ پُرامن زندگی گذارنے۔ بھائی چارہ اور مہمان نواز ہیں۔

یونان اور کشمیر

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر کا تعلق یونان سے رہا ہے اور کشمیر یونے ڈورک طرز تعمیر یونانیوں سے ہی سیکھا ہے۔ ہمیں یونانی ماخذوں سے بھی بہت سی اطلاعات بہم ہوئی ہیں ہماری لوک کتھاؤں میں یونان کی دنت کتھاؤں کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔ یونانیوں کی آمد کے تحت گاندھار بھی کشمیر کا ہی ایک حصہ تھا اور یہ یونانی کشمیر کے ساتھ قریبی راہ ورسم رکھتے تھے۔

مہرکل۔ میگواہن اور کارکوٹ خاندان کی حکومت تک گاندھار کشمیر کا حصہ تھا۔ ہیروڈٹس (۴۲۰۔ ۴۸۴) ایک مشہور یونانی مؤرخ اپنی کتاب میں تحریر کرتا ہے کہ کشمیر کے دریاؤں سے سونا حاصل ہوتا ہے اور بہاح چونٹیوں کی ایک نسل پائی جاتی ہے جو زمین کے اندر ایک سرنگ بنا کر اندر کی مٹی باہر لاتی ہے اور یہ مٹی خالص سونا ہوتی ہے۔ کشمیر میں عام روایت ہے کہ ایسا سونا دریائے سندھ سے حاصل ہوتا ہے۔ مہابھارت ورن میں آیا ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ایک درد کی بھینٹ یدھشٹر کو پیش کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ سکندر کشمیریوں کی وفاداری اور بہادری دیکھ کر ایک فرمان جاری کرتا ہے جس میں ہزارہ کے بادشاہ کو کشمیر کی باجگزاری میں شامل ہونے کا حکم دیتا ہے۔

راج ترنگنی میں یہ دلچسپ حوالہ موجود ہے کہ کشمیر کا راجہ ابھیمنیو چھ مہینے کشمیر میں اور باقی چھ مہینے ابھیسار اور دوسری جگہوں پر رہتا تھا۔ مہابھارت کے مطابق ابھیسار ایک قوم اور ایک ملک کا نام تھا۔ یہ علاقہ وتیستا اور چندر بھاگا کے درمیان واقع تھا۔ مہابھارت کی لڑائی میں ابھیسار اور کشمیریوں نے مل کر فیصلہ لیا کہ وہ کوروں کی مدد کر کے دریودھن کا ساتھ دیں گے۔

یونان میں جب باختر قبیلے کی حکومت شروع ہوئی تو کشمیریوں نے یونان کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کئے۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ٹارن کا حوالہ ہے کہ گنگا کے میدانی علاقے کے تاجر بڑے پیمانے پر کشمیریوں کا مال لیکر یونان تجارت کرنے جاتے تھے۔

کشمیر کے متعلق مشہور یونانی جغرافیہ دان کلاڈیس ٹالیمس تحریر کرتا ہے کہ کہ دور مشرق میں کیسپیر کا نام کا ملک ہے اور اس کی راجدھانی بھی کشمیر ہے۔ وہ درد قوم کی سونا نکالنے کی ودھیا کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ اور یہی تذکرہ میگھستینز اور سٹرابو

نے بھی تواریخ میں لکھا ہے یہ لکھتے ہیں کہ یہ سونا چونکہ سندھ ندی کے دہانے پر پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ اُن چار دریاؤں میں سے ایک ہے جو سورگ سے نکلتی ہیں۔

ٹالمے لکھتا ہے کہ کشمیر میں چاروں طرف خوشحالی ہی خوشحالی ہے۔ اس ملک کے سرحد جنوب کی طرف وندھیاچل اور مغرب کی طرف گاندھار تک پھیلے ہوئے تھے۔ ہمالیہ کے پہاڑی علاقوں کا اکثر حصہ اسکے ماتحت تھا۔ جسمیں پنجاب کے بڑے دریا بھی شامل ہیں پنجاب گنگا اور جمنا کا بالائی علاقہ بھی کشمیر کے ماتحت تھا۔ مہاراجہ للتادیت نے سارے جنوبی ہندوستان کو فتح کر لیا اور حال ہی مدھیہ پردیش میں للتادیت کے سکے ملنا اس بات کا ثبوت ہیں کہ للتادتیہ کی حکومت کشمیر سے کنیا کماری تک پھیلی ہوئی تھی۔

ٹالمے کے مطابق لبکا کوٹ ایسا قلعہ ہے جو ناقابل تسخیر ہے۔ اس کوٹ کو آخر آرل سٹاین نے دریافت کر کے ٹالمے کی صداقت کا اعتراف کیا ہے کہ لوہر کوٹ کشمیر کی حفاظت کرنے کے واسطے زبردست اور مضبوط سرحدی چوکی کا کام دیتا تھا۔ ہمیں اُن کاریگروں اور بادشاہوں کی ستایش کرنی ہوگی جنھوں نے کشمیر کی حفاظت کیلئے ایسے انتظامات کئے تھے۔ فن کاریگری کے ایسے کمالات تب ہی ممکن ہیں جب ملک میں امن اور شانتی کا ماحول قایم ہو۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ٹالمے کی جغرافیہ میں درج "ایوموسا" دراصل جموں ہے جو تاریخی لحاظ سے بہت قدیم جگہ ہے یہ شہر اُس راستے میں پڑتا تھا جو کشمیر سے پاٹلی پترا (پٹنہ) جاتی تھی۔ جموں پہلے مدر پردیش میں شامل تھا۔ جس کا صدر مقام "ساگلا" تھا۔ ٹالمے کشمیر کے پورانک دریا وتستا کو "بڈاس پس" لکھتا ہے جو وتستا کے بہت قریب لگتا ہے۔

ٹالمے چناب دریا کو سیدبا گا نام دیتا ہے۔ وتستا کا دوسرا نام "کنتا برا" ہے جو پلنی نے دیا ہے۔ ہمیں کشمیر میں بہت سے ایسے سکے ملے ہیں جو یونانی بادشاہوں کے نام پر بنے ہیں۔ اِس سے

قدیم زمانہ میں کشمیر اور یونان کے قریبی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ ہیون سانگ اور کلہن دونوں اس بات کے گواہ ہیں کہ کشمیر موریہ سلطنت کا ہی حصہ تھا۔

بودھ گرنتھوں میں اس بات کے کافی حوالہ جات ملتے ہیں کہ مہاراجہ اشوک نے کشمیر کے عالموں کو بدھ مت کی تشہیر کیلئے انکو دور مشرق اور وسط ایشیا میں روانہ کیا۔ کشمیر کے بودھ بھکشوں کو تیسری بودھ کانفرنس میں شرکت کرنے کیلئے انکو پاٹلی پتر (پٹنہ) بھیجا گیا تھا۔

رواداری

کشمیر بودھ فلسفہ کے اثر میں بڑی دیر تک رہا کیونکہ یہ فلسفہ لوگوں کو اُن ہی کی زبان میں سمجھایا گیا تھا۔ بدھ مت کے زوال کے بعد بھی بڑی دیر تک بدھ تعلیمات کو کشمیری لوگ مٹا نہ سکے۔ حضرت علمدار کشمیرؒ کی پاک زندگی میں بھی ہمیں بودھ فلسفہ کی بہت سی باتیں یا مماثلت دیکھنے کو ملی ہے۔ کشمیر میں بودھ دھرم کا آخری وہار شہمیری دور میں سلطان محمد شاہ کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ یہ آخری تعمیر اُسوقت بجبہارہ کے مقام پر مکمل ہوا۔

بدھ مت کے دور میں کشمیر کو برصغیر میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔ یہاں بڑے پیمانے پر کاروباری سرگرمیاں شروع ہوئیں اور کشمیر آہستہ آہستہ ملک کے قریب آتا گیا۔ بودھ مت کے دوران ہی کشمیر میں صنعت و حرفت کا جال پھیلا۔ شاہراہ ریشم کے تینوں راستے جو چین گاندھار۔ گلگت کو جاتی تھی۔ کھل گئے۔

فاہیان اسی شاہراہ کے ذریعے اپنے پچیس[۲۵] بھکشو ساتھ لے کر کشمیر پہنچا۔ کشمیر میں لکھے گئے مہایان گرنتھ اسی راستہ سے مختلف ملکوں میں بھیجے گئے خاصکر چین، منگولیا، تبت جاوا وغیرہ۔ کہتے ہیں مہاتما بدھ خود کشمیر آئے تھے۔ اور اُنھوں نے کہا تھا کہ ایک وقت کشمیر بدھ دھرم کا گہوارہ بنے گا۔ مہاتما بدھ کے کتھن نے اُسوقت حقیقت کا روپ دھار لیا۔

جب مہایان کے دور میں کشمیر بودھ فلسفہ کا مرکز بن گیا اور کشمیر کا نام دور دراز ملکوں تک پھیل گیا۔
مدھانتک کے حوالے سے جس کے ذریعے بدھ مت کشمیر پہنچا۔ سری لنکا کی تاریخ مہاوامشیہ
جو چھٹی صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ اس میں درج ہے کہ مدھیانتک نے بھارت کی خوبصورت وادی
کشمیر کو بدھ مت سے روشناس کرایا۔

مہاوامشیہ تاریخ کے حوالے سے مدھیانتک نے ہی کشمیر میں زعفران لایا۔ بدھ مت کی عوامی
مقبولیت کا یہ حال ہے کہ کشمیر کا راجکمار گن ورمن تھا۔ جو چوتھی صدی کے اوایل میں راجکمار بنا تھا۔
اسکو ایک دن راجہ نے بادشاہ بنانا چاہا وہ خود ولواس لینا چاہتا تھا۔ مگر گن ورمن نے راجہ
بننے کے بدلے بودھ بھکشو بن کر دنیا کے اور دلیشوں میں بدھ کا پرچار کرنا زیادہ مناسب سمجھا اور
وہ لنکا چلا گیا۔ اسکے بعد وہ جاوا۔ سماٹرا۔ چین کمبوڈیا وغیرہ ملکوں میں بدھ مت کا پرچار کرنے گیا۔

آستانوں کا طرز تعمیر بدھ مت کی دین :- اس گن ورمن نے بھکشو بننے کے بعد دور
مشرق ملکوں میں بدھ مت کا پرچار کیا۔ جب یہ واپس کشمیر لوٹا تو اس سے پگوڈا طرز تعمیر
بنانے کا خاکہ اپنے ساتھ لایا۔ اسی BLUE PRINT کی وجہ سے ہمارے رلیشیوں کے پاک آستان
تعمیر ہوئے ہیں۔

دستکاریوں سے متعلق بدھ مت کی دین :- بدھ مت کشمیر میں متعارف ہونے سے پہلے اہل کشمیر
کو سب سے بڑا فایدہ یہ ہوا کہ یہاں صنعتی انقلاب پیدا ہوا۔ کیونکہ دور مشرق سے لیکر سنٹرل
ایشیا تک کے ممالک سے کشمیر کا براہ راست رابطہ قایم ہوا۔ بھکشوں کے ساتھ ساتھ یہاں کاریگروں
اور ہنرمندوں کی آواجاہی شروع ہوئی۔ انھوں نے کشمیری کاریگروں کو برتن سازی۔ سوزن کاری
زیور بنانا اور چمڑہ سازی کا کام سکھایا۔ مٹی کے برتن بنانا۔ پٹو بنانا۔ چادریں۔ کپڑے بنانا
کشمیر کی گھریلو دستکاری میں پہلے ہی شامل تھا۔

کشمیر کی سرزمین نے جیوتش۔ شاعری۔ فلسفہ۔ تنقید۔ ناٹیہ کلا اور شیو فلسفہ کے بڑے بڑے تخلیق کار پیدا کئے۔ راج ترنگنی میں ایسے بہت سے حوالہ جات ملتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر کے اکثر حکمران عالم شاعر اور عالموں کی قدردانی کرنیوالے ہوئے ہیں۔ ایک دلچسپ حوالہ جو توجہ طلب ہے وہ یہ کہ جب کشمیر کے عالم۔ شاعر اور سخی راجہ اننت اپنے بیٹے ہرش کے بُرے کرتوتوں کی وجہ سے تنگ آیا تو راجہ اننت ونواس کی تنہائی سے باہر نکلا۔ وہ وجیشور (بجبہاڑہ) سے ایک کشتی میں سوار ہو کر راجدھانی چلا گیا۔ وہاں اُس نے بھیس بدل کر رات کے وقت راج دربار کے اندر گھسنے کی کامیاب کوشش کی۔ وہاں اپنے بیٹے ہرش کو رنگ رلیاں مناتے اور شراب کے نشے میں دھت دیکھ کر اننت نے ایک زوردار تھپیڑ بیٹے کی گال پر رسید کیا۔ سارے وزیر اور امیر سناٹے میں آگئے۔ آخر سب کو پتہ چلا کہ یہ ملک کا پہلا فرمانبردار راجہ اننت ہے۔ ہرش کے وزیر اعظم دُمٹھ کو اننت کی یہ حرکت ایک آنکھ کو نہیں بھائی اُس نے ہرش سے کہا کہ اننت اس وقت راجہ نہیں بلکہ ایک عام شہری ہے تو ایک عام شہری نے راجہ کے گال پر تھپیڑ رسید کر کے شاہی عتاب کو للکارا ہے۔ ہرش کو بھی وزیر کی بات مناسب معلوم ہوئی۔ چنانچہ ہرش نے وجیشور پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ جب ایک رات بارش ہو رہی تھی۔ راجہ کے سپاہی مزے کی نیند سو رہے تھے تو ہرش نے وجیشور کے شہر پر دھاوا بول دیا۔ ٹکہ در کے علاوہ تمام سوامن کے مندروں کو راکھ کر ڈالا۔ راجہ اننت محل سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اُسکے ساتھ اُسکی رانی سوریہ متی اور وزیر اعظم بھی تھا۔ حالت اتنی خراب ہوئی کہ راجہ کے پاس کھانے کیلئے کچھ دھن بچا بھی نہیں۔ آخر سوریہ متی کی نظر ایک لعل وجواہرات سے جڑے شولنگ پر پڑی۔ رانی نے یہ شولنگ ٹاک قبیلے کے بیوپاریوں کو بیچ دیا۔ اُس سے اتنے پیسے ملے کہ راجہ نے ایک تو سپاہیوں کو تنخواہ دی اور خود کھانے پینے اور پہننے کیلئے کپڑے خریدے۔ مگر راجہ کو اس عمل سے اتنا دُکھ ہوا کہ اُس نے خودکشی کر لی۔ رانی نے اپنے سرتاج کے ساتھ ہی رسم ستی ادا کی۔ اور چتا پر چڑھنے سے پہلے اُس نے وتستا سے پانی منگا کر نہا لیا اور پھر کشمیر کی دھرتی کی پوجا کر کے کہا کہ ہے ماتا تم نے مہربانی کر کے کشمیر کھیتر میں وجیشو نام کے

اس تیرتھ کو بنایا۔ جہاں آدمی مرنے کے بعد سیدھا سورگ کو جاتا ہے۔ یہاں وتستا سارے دکھوں کا ناش کر کے منش کو جیون مکت بناتی ہے یہاں وجیش کا استھاپن سارے دکھوں کو کو مٹا دیتا ہے۔ یہاں ریشیوں کے آشرم سیدھی دینے والے ہیں۔ ہے ماتا میرے پاپوں کو مٹا کر اپنے جیون ساتھی کے ساتھ دوسری دنیا میں ساتھ ساتھ رکھو۔ یہ کہہ کر رانی نے اپنے کو بھسم کر دیا۔

اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں کشمیر اور اسکے ساتھ ہی یہاں کے مقدس مقامات سے کس قدر لگاؤ تھا اور یہی محبت اور شردھا آج بھی کشمیر کے باشندوں میں رچ بس گیا ہے۔

چینی سفیروں کے بعد عرب کے تاریخ دانوں کو کشمیر آنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے عرب جغرافیہ دان وارد کشمیر ہوئے۔ ان سفیروں میں المسعودی الکازونی اور الادریس شامل تھے۔ مگر کشمیر کے بارے میں جو مدلل حالات و واقعات ہمیں البرونی کی تحریر کردہ کتاب "کتاب الہند" سے ملتی ہے۔ اس کوئی نظیر نہیں ملتی۔ البرونی ۱۰۱۷ عیسوی میں ہندوستان میں وارد ہوا۔ اور تقریباً ۱۰۳۲ تک وہ ہندوستان میں رہا۔ اور اس نے معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ خاصکر جس بات نے البرونی کو متاثر کیا وہ یہاں کے عوام کی انسان دوستی کا منظر تھا۔ البرونی لکھتا ہے میں نے یگانگت، بھائی چارہ اور اعلیٰ اخلاقی نمونے کشمیر میں ہی دیکھے۔ اس نے کشمیریوں کے ثقافتی ورثہ، رسموں اور رواجوں کے تعلق سے دلچسپ جانکاری دے دی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ کشمیری لوگ جانباز اور زیرک ہیں۔ انکو اپنے ملک کے حدود کا خاص خیال رہتا ہے +

مارکو پولو جو تیرھویں صدی میں کشمیر آیا۔ وہ کشمیری عوام کی علم دوستی، فراخدلی، اپنی مادری زبان سے پیار کی داستان یوں بیان کرتا ہے۔ "یہ لوگ اچھی حکومت کے خواہاں ہیں۔ یہ خوش ہو کر زندگی گذارتے ہیں انکو کسی بیرونی حملہ آور کا ڈر

نہیں رہتا ۔

یہ تاریخی شہادتیں اس بات کی غماز ہیں کہ کشمیریت کی جڑیں اس سرزمین میں زمانہ قدیم سے پیوست تھیں۔ علمدارِ کشمیرؒ اور لل دید نے ان جڑوں کو سینچا۔ ان پیڑوں کے پھولوں کی مہک کو کشمیر کے کونے کونے میں پہنچا کر زندگی کے اُجاڑپن میں نکھار پیدا کیا۔

بیرونی سفیروں مثلاً او کانگ، فاہیان، ہیون سانگ اور عربی دانشوروں الادریسی، المسعودی اور الکازوتی نے کشمیر کے متعلق جو ایک سانجھا تاریخی جائیزہ پیش کیا وہ یہ ہے کہ کشمیر کے لوگ امن پسند، مہمان نواز۔ دانشور، محبِ وطن، نیک نیت و نیک سیرت اور آپسی برادری اور برابری قائم رکھنے والے لوگ ہیں۔ یہ عالم انسانیت سے پیار کرنیوالے ہیں۔ یہ دوئی اور حسد سے کوسوں دور بھاگنے والے لوگ ہیں۔ یہ مختلف الخیال ہونے کے باوجود ساتھ چلنے کی سکت رکھتے ہیں۔

نند ریشیؒ اور لل دید نے کشمیری سماج کو فلسفی سوچ عطا کی۔ وہ فلسفہ ریشیت کا تھا۔ جس کی چھاپ آج بھی یہاں ہر طرف تاباں ہے۔ ہمارے ان نورانی پیکروں نے سماجی رشتوں اور انسانی اقدار کی نیا کو منجدھار میں ڈوبنے سے بچا لیا۔ ان دونوں الوالعزم اور صاحبِ بصیرت و فکر کے اونچے شکھر پر مسند نشین ماں بیٹے نے روحانی سماجی، اخلاقی، ادبی اور فلسفی سطح پر ہماری رہنمائی کی۔ اور سلطان زین العابدین (بڈشاہ) نے سیاسی سطح پر کشمیریت کے تصور کو جلا بخشی ہے۔

زین العابدین بڈشاہ کا سیاسی گراف

شری در اپنی کتاب زینہ ولاس میں رقمطراز ہے۔ " سلطان زین العابدین کی سیاسی سماجی، روحانی، ادبی، معاشرتی اصلاحات کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ کلجگ میں ستیا یگ لوٹ آیا ہے۔ بڈشاہ کے اقتدار سنبھالنے سے کشمیریت کے تصور کو سیاسی استحکام حاصل ہوا۔ اس دوراندیش شہنشاہ

نے برادری ۔ بقائے باہم، رواداری اور بھائی چارہ کی ایسی قندیل روشن کی جو آج تک
بھی برابر ضو پاشی کر رہی ہے ۔ پہلی بار ایک وسیع پروگرام کے تحت کشمیری پنڈتوں کو جو وادی
چھوڑ کر نقل وطن کر چکے تھے ۔ واپس بلا کر ان کی ڈھارس بندھائی ۔ اُن کو سرکاری
عہدوں پر فایز کیا ۔ اُنکے تہواروں میں شرکت کر کے اُن کو احساس دلایا کہ راجہ
سمیت ساری پرجا اُن کے دکھ درد میں شامل ہیں ۔ پنڈتوں نے اس احسان مندی کے
راجہ کے تشکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ "کھما درخدر بریں تولید شد" اس دنیا میں بخشنے والے
ایک محبوب نے جنم لیا ہے ۔

اس بادشاہ نے دانشمند، سخن شناس اور عالم و فضل لوگوں کو اپنا وزیر
بنایا ۔ جن میں سعید محمد رومی، قاضی سعید علی شیرازی، محمد سعید ستانی ۔ مولانا کبیر،
ملا نادری، سعید محمد مدنی ۔ جون راج ۔ شری ور ۔ سوم پنڈت اور شری بھٹ قابلِ ذکر
ہیں ۔ ان دانشوروں نے کشمیریت کے تصور کو عام کرنے، تعلیم کا پھیلاو کرنے، مختلف فرقوں
کے آپسی ملن کو ذہنی حقیقتوں پر قایم کرنے اور اقتصادی خوشحالی کو سماج کے نچلے
طبقے تک پہنچانے میں سلطان کی ہر طریقے سے مدد کی ۔

بڈشاہ کے زمانے تک دو طرح کے مسایل نے لوگوں کو پریشان کر رکھا تھا ۔ ایک
تو خشک سالی نے عوام کی کمر توڑ رکھی تھی ۔ ان کو سال بھر کیلئے گھریلو خرچ کیلئے غذا نہیں
ملتی ۔ اور عوام کی قوت خرید اتنی کمزور تھی کہ وہ بازار سے ایک دانہ خریدنے کی ہمت نہیں
رکھتے تھے ۔ دوسرا مسئلہ جس نے سلطان کی راتوں کی نیند اُڑا رکھی تھی وہ یہ تھا کہ
سرکاری خزانہ کھوٹے سکوں سے بھرا پڑا تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطان سے پہلے
کشمیر بہت دیر تک آگ اور خون کی ہولی میں کھیل رہا تھا ۔ نہ کوئی استحکام تھا نہ کوئی
انتظامی مشینری کام کر رہی تھی ۔ کچھ شاطر لوگوں نے اس افراتفری کا فایدہ اُٹھایا ۔

اُنھوں نے جگہ جگہ شراب خانے کھول کر دینار کے بدلے کھوٹے سکے بنا ڈالے۔ جو بالکل نقل بمطابق اصل دکھائی دیتے تھے۔ آہستہ آہستہ سرکاری خزانہ کھوٹے سکوں سے بھر گیا۔ سلطان نے سب سے پہلے سکوں کا یہ چلن بند کر دیا۔ اور نیا سکہ جاری کیا۔ ایسا کرنے سے خزانہ عامرہ پر کافی بوجھ پڑا۔ اور کشمیری پنڈتوں سے جو پہلے حکمران جزئیہ ٹیکس وصول کرتے تھے۔ بڈشاہ نے اِس کو بند کر دیا۔ اُس سے بھی آمدنی کا ایک وسیلہ بند ہوا۔ مگر اس سے یہ فایدہ ہوا کہ بازار میں کرنسی کی ساکھ بڑھ گئی۔ اسکے علاوہ خشک سالی کا مقابلہ کرنے کیلئے سلطان نے نہروں کا جال بچھا دیا۔ انجنیروں کو کام پر لگا دیا۔ اور دیکھتے دیکھتے بنجر زمین اور خشک زمین دہقان کی کھیتی سے لہلانے لگی۔ بڈشاہ کی کھودی گئی نہریں آج بھی پوری آب و تاب سے سینچائی کا کام کر رہی ہیں۔ ان نہروں میں کاکا پورہ نہر۔ کرال نہر، ژکدر نہر، اونتی پورہ نہر، شاہ کول، زینہ گنگا گیر، لال کول، نالہ مار اور مارتنڈ نہر قابل ذکر ہیں۔ بڈشاہ کے نام پر زینہ کوٹ، زینہ پورہ، زینہ گیر وجود میں آگئے۔ زینہ کرل بھی اس روشن مزاج بادشاہ کی یاد میں بنا ہے۔ ایک مورخ اپنی کتاب میں

"STUDIES IN HISTORY & CULTURE OF KASHMIR"

رقمطراز ہے۔ کہ بڈشاہ کے زمانے سے پہلے جتنی بھی تاریخیں تحریر ہوئی ہیں۔ اُن میں تاریخی حقایق کے ساتھ ساتھ بہت سی فضول۔ غیر ضروری۔ مافوق الفطرت نظارے۔ جن اور بھوتوں کی کہانیاں بھی درج ہیں۔ مگر بڈشاہ کے وقت سے تاریخ نویسی کے فن نے جدید طرز اپنا کر غیر ضروری باتوں کو کتابوں سے خارج کر دیا۔ زین العابدین بابا نصیب الدین غازی کے شیدائیوں میں سے تھے۔ غازی صاحب کا دربار فیض پناہ آج بھی بجبہاڑہ میں جلوہ گر ہے۔

یہاں ہر سال ایک بڑا میلہ لگتا ہے۔ جو پہلے ۱۵ دن تک چلتا تھا۔ وہ آجکل تین دن تک منایا جاتا ہے۔ ان تین دنوں کیلئے یہاں کشمیر کے ہر علاقے سے شہنائی وادک غازی صاحب کے صحن پاک میں شہنائی وادن کی دھنوں اور دمبالی سے عجیب طرح کا سماں پیدا کرتے ہیں۔ سلطان بڈشاہ بھی حضرت غازیؒ کے صحن پاک میں آکر بیر کامل کے نام پر غریبوں اور محتاجوں میں خیرات بانٹتے تھے۔ اس کے بعد یہاں دربار عام لگتا تھا جس میں کوئی فرد سلطان کو اپنی فریاد سناتا تھا اور سلطان اُسی وقت سایل کے درپیش مشکلات کو حل کرانے کا حکم صادر کرتے تھے۔

جون راج زینہ راج ترنگنی میں تحریر کرتا ہے کہ جب بڈشاہ کا دربار (وجیشور) بجبہاڑہ میں آراستہ ہوتا تھا ایسا جان پڑتا کہ وجیشور ہی کشمیر کا اصلی دار الخلافہ ہے۔ اسکے بعد سلطان کشتیوں کا نظارہ دیکھنے اور صوفیانہ موسیقی سننے کیلئے پہلے سے ہی سجائے ہوئے پرندے میں بیٹھ کر صوفیانہ کا لطف اُٹھا کر اور دیگر کشتیوں میں چل رہے کشمیری گیتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ بھادوں کے مہینے کی تیرا تاریخ کو سلطان ویری ناگ جاکر دریا جہلم (وِتستا) کے پانی میں چراغ جلتے ہوئے بہاکر اس عظیم الشان دریا کے تئیں اپنی عقیدت کا اظہار کرتا تھا۔ بڈشاہ کے زمانے سے ہی کشمیر میں صنعتی انقلاب پیدا ہوا کشمیر کی صنعت و حرفت نے ایک روشن مستقبل کا منظر دیکھا۔ کشمیر کی پیپر ماشی۔ گبہ سازی و نمدہ سازی، قالین قبافی نالہ دوزی اور اخروٹ کی لکڑی پر کھدائی کا کام اسی روشن دماغ بادشاہ کی دین ہے۔

اسی ترقی پسند بادشاہ نے وسط ایشیا سے کاریگر بلاکر یہاں کے بیکار نوجوانوں کو تربیت دیکر ہزاروں گھروں میں روزگاری وسایل فراہم کرکے گھی کے دیئے روشن کرائے۔ جون راج بڈشاہ کے ان اقتصادی انتظامات سے اتنا متاثر ہوکر لکھتا ہے۔

"جہاں نظر مارو خوشحالی اور اطمینان کی لہر جاری ہے۔ ہندو مسلم بھائیوں کی طرح آپس میں

رہ رہے ہیں۔ کوئی مذہبی تنازعہ نہیں۔ دِلوں کو دُکھانے والی کوئی بات نہیں۔ موت کا خوف کسی کے سر پر نہیں۔ ہر کوئی خوش ہے ہر کوئی اس نیک بخت راجہ کی جے جے کار کار کرتا ہے۔ ہر ایک نوجوان روزگار کے دھندے میں مصروف ہے۔ بڈشاہ خود بھی عالم اور عالموں کا قدردان تھا۔ اس نے سرینگر میں ایک دارالترجمہ قایم کیا۔ جہاں مختلف سنسکرت کتابوں کا فارسی میں اور فارسی کتابوں کا سنسکرت میں ترجمہ ہوتا تھا۔

اس نے ایران۔ عراق اور ترکستان سے مخطوطات منگوا کر شاہی قطب خانہ قایم کیا۔ جی۔ این گنہار صاحب بڈشاہ کو خراج عقیدت ادا کرتے ہوئے رقمطراز ہے جہاں تک فراخدلی اور بُردباری کا تعلق ہے شاید یہ اُن سارے حکمرانوں میں فضیلت رکھتا ہے جنہوں نے ہندوستان یا اسکے کسی حصے پر حکومت کی ہے۔

سعادات کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ اُنھوں نے کشمیر کی پرمپرا کو نقصان پہنچایا۔ مگر حقیقت یہ نہیں۔ کیونکہ سعادات کا بڈشاہ جیسے روشن دماغ اور انسان دوست بادشاہ کے ساتھ راہ رسم بڑھانا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ سعادات قبیلے کی اکثریت دانشور اور اعلیٰ ظرف پر مشتمل تھی اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ بڈشاہ کی ملکہ سعید محمد بیہقی کی دختر تھی۔ اور بڈشاہ نے سعید محمد منطقی کے فرزند سعید محمد اوسی کو گود لیا تھا۔

کشمیر میں صنعتی انقلاب پیدا کرنے میں اہل سعادات نے نمایاں کارنامے سرانجام دیے۔ یہ ان ہی بزرگوں کی کاوشوں کی دین ہے کہ کشمیر کی دھرتی نے پہلی بار کاریگروں کی ایسی جماعت کو دیکھا جنھوں نے یہاں بیکار نوجوانوں کی صنعت و حرفت کی طرف راغب کر کے کشمیر میں کلچر اور سیاست کے RENAISSANCE کی بنیاد ڈالی۔ بڈشاہ کا زمانہ TRANSITIONAL

دور مانا جاتا ہے۔ جہاں پرانی قدروں نے جدید تصورات کی مہک کو محسوس کیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ سیاسی سطح پر بڈشاہ ہی کشمیریت کے تصور کو عام کرنے اس کو اپنانے ور اس فلسفے کو زندگی کا آدھار بنانے میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

کشمیریت وادی کے لوگوں کے اجتماعی شعور میں صدیوں سے گھر کر گیا ہے۔ یہ سوشل پلورلٹی SOCIAL PLURALITY کی ایک خوشنما تصویر ہے۔ یہ انسانی ادراک کے مطالعہ کی دنیا میں سب سے بڑی لیبارٹری سی لگتی ہے۔ کشمیریت انسانی زندگی کی HISTORY - TOTALY- کا نام ہے۔ کشمیریت کو انسانی تاریخ۔ تمدن۔ معاشرت۔ روحانیت اور سماجیات۔ جدا نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا کرنے کی کوشش بھی کی جائے تو وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ اسکو زندہ رہنے کیلئے ہمیشہ پُر امن ماحول کی ضرورت رہتی ہے۔ "ایک مُدبر اور صحیح سوچ رکھنے والا تخلیق کار ہمیشہ اپنے چاروں طرف ہونیوالے واقعات کو باریک بینی سے دیکھتا ہے۔ انکا اثر محسوس کرتا ہے۔ اور دیانتداری سے اُنکو بیان بھی کرتا ہے"۔ "کلہن"

تخلیق کاروں اور تاریخ نویسوں کا کہنا ہے کہ کشمیریت کبھی مذہبی سوچ کی اُپج نہیں۔ بلکہ عوام الناس کا ایک خواب ہے کہ مختلف الخیال لوگ الگ الگ فرقوں اور جاتیوں میں رہنے والے، مختلف عقیدے اپنانے والے، بِن بِن طرح کی بولیاں بولنے والے لوگ کسطرح پُر امن زندگی اور شانتی کے ساتھ جیون بسر کر سکیں۔

کشمیریت کشمیر کی پہچان ہے۔ کشمیر اہل کشمیر کے سماجی، روحانی، معاشرتی تمدنی۔ اخلاقی۔ ادبی اور دھارمک پرمپراؤں کی سنہری داستان ہے۔ اس جملے سے تاریخ عالم میں کشمیر کو ایک خاص انفرادیت حاصل ہے۔

سفرنامے

سفیروں کے سفرنامے ایک مشترکہ بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ اہلِ کشمیر پُرخلوص، دردمند دِل رکھنے والے اور اونچے آدرش کے لوگ ہیں۔ کشمیر نے بڑے بڑے فلاسفروں، جیوتش اور علمِ نجوم کے ماہروں، شاعروں، دانشوروں، تنقید نگاروں اور روحانی زندگی کے سورماؤں کو جنم دیا ہے۔ سنسکرت زبان کے جید عالم اور تنقید نگار ممٹ آچاریہ اپنی کتاب "کاویہ پرکاش" میں رقمطراز ہے کہ شاعری کا مقصد خوشحال زندگی بسر کرنے کے طریقے بتلانا۔ سخن نگار کی شاعری پڑھنے سے جی کو بہلانا اور ناٹیہ کلا سے اپنے ماحول کو پرکھنا۔ اور یونانی عالمِ افلاطون کہتا ہے۔ "زندگی قدرت کی دین ہے اور اِس زندگی کو سُندر بنانا اور پُرسکون زندگی گزارنا بڑی عقلمندی کی بات ہے۔

کلہن رقمطراز ہے کہ موجودات کی حیثیت کو تبدیل کرنا غیر قدرتی ہے۔ جو زیادہ دیر قایم نہیں رہتی۔ جیسے کہ راجہ نر نے ترکہ در میں سورگ سے زیادہ سُندر شہر بسایا۔ پھر پاپوں کے گھڑے میں گر کر اسی شہر کو نذرِ آتش کردیا۔ قدیم تاریخ اور نیل مت پوران پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آریہ کشمیر میں اپنی بستیاں بسانے میں اس لئے کامیاب ہوئے کیونکہ اُنھوں نے ناگوں کے دیوتاؤں اور اُنکے مذہبی تصورات کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لئے ناگوں نے کبھی آریوں کی بُود و باش پر انگلی نہیں اُٹھائی۔

البیرونی اپنی تاریخ "کتاب الھند" میں لکھتا ہے کہ کشمیریوں کو اپنے وطن سے اتنا پیار ہے کہ وہ کسی غیر شخص کو سرحد پار کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اگرچہ وہ شخص اُنکا ہم مذہب ہی کیوں نہ ہو۔

کشمیری جنگ و جدل کو پسند نہیں کرتے اور پُرامن زندگی گذارنے کے خواہاں ہیں
اس بارے میں کلہن لکھتا ہے کہ کشمیر کے باسیوں میں قوت برداشت وفاداری اور ایک
دوسرے کے مذہبی خیالات کا احترام کرنیکا مادہ بدرجہ اوتم موجود ہے۔ اس حقیقت کو وہ
اُچل اور سوسل کی آپسی رنجش کی مثال دیکر براہمنوں کے اُس اعلان کا خیر مقدم کرتا ہے۔
جبکہ وہ بادشاہ کیخلاف اعلان جنگ کر کے کہتے ہیں ہمیں وہ دھاڑی والا راجہ چاہیئے۔
موجودہ راجہ نہیں۔

نیل مت پوران کشمیریت کے بُنیادی اصول پُرامن فضا۔ انسانی رشتوں کا قیام۔
بلا رنگ و نسل، ذات برادری پر ہر کسی سے پیار کرنیکا آدرش اپنانے کیلئے کہتا ہے کہ آریوں کو
ناگوں کی پوجا کرنی چاہیئے (وہ اسلئے کہ ناگوں کی فراخدلی انسان دوستی اور پیار نے آریوں کو کشمیر میں رہنے
کی اجازت دے دی۔) آگے لکھتا ہے کہ ناگوں کو پھول، اگربتی۔ چندن اور پرشاد کھلا کر اُنکو
عُمدہ تحفے دینے چاہییں۔

یہ شلوک رواداری، اخوت اور بقائے باہم کا قدیم ترین ہدایت نامہ ہے
کہ کشمیر میں رہنے والے لوگوں کو دوسری جاتیوں سے میل وملاپ اور آپسی بھائی چارہ رکھنے
اور ایکدوسرے کے خیالات تصورات اور سماجی، علمی، ادبی مشاغل میں ایکدوسرے کا
ساتھ دینا چاہیے۔ یہ شلوک آپسی ملن کی پہلی مثال ہے۔

نیل مت پوران کا چوتھا حوالہ

۱۔ کشمیر ہماری ماں ہے۔ کیونکہ یہ اوما کا دوسرا روپ ہے۔ میں اس پر مہربان ہوں۔
یہ کبھی دریا کے روپ میں پرکٹ ہوئی ہے جیسے وشو اور وِتستا۔
۲۔ یہ پاک اور پوتر سرزمین ہے واسکھ ناگ کا آشرم ہے جو ناگوں کا سردار ہے۔
اُسکی پوجا کرو۔ اسی روپ میں تم اپنی ماں یعنی کشمیر کی پوجا کے پھل حاصل کرو گے۔

۳ے میں نے کشمیر کا بہت سُندر دیش اپنی اچھّا سے بنوایا اور خوبصورتی سے مُسکرانے والے۔ اس کشمیر کی سندرتا اور خوبصورتی کا آنند لو۔ اس کو میں نے چاروں طرف پانی سے بھر لیا ہے۔

۴ے وِتستا ندی جو پیدائش کے وقت پھر دوبارہ غائب ہوئی تھی۔ اسکو شنکر نے ایک "وِتستی" (ایک کھودنے کا پیمانہ) کھود کر دوبارہ باہر نکالا۔ تب شنکر نے خود اس کا نام "وِتستا" رکھا۔ یعنی وِتستی سے نکالی گئی۔

بقول کلہن کشمیر کے لوگ تلوار سے نہیں بلکہ اپنے بُرے اعمال سے ڈرتے ہیں۔

یہی سنہری اصول کشمیریت کی جڑ ہے۔ بُرے اعمال سے پرہیز کرو۔ نیکی کا راستہ اپناؤ۔

۔۔ بقائے باہم کی سنہری روایات ۔۔

جس طرح سورج اپنی روشنی۔ دریا اپنا پانی۔ چاند اپنی چاندنی۔ ہوا اپنا گردش ہر کسی کے لئے وافر رکھتا ہے۔ اسی طرح انسان کو اپنا دل ہر کسی کے لئے کھُلا رکھنا چاہئے گورے اور کالے میں خون کا رنگ ایک جیسا ہوتا ہے۔ احساسات ایک جیسے ہوتے ہیں۔ سب لوگ ایک ہی پرکار سے ہنستے یا روتے ہیں۔ جبلتیں ہر انسان کی ایک جیسی ہوتی ہیں۔ بھوک ہر ایک کو لگتی ہے۔ پیاس سے ہر کوئی تڑپتا ہے۔ سورج کی تپش اور برفانی ٹھنڈک ہر کوئی ایک جیسی محسوس کرتا ہے۔ تو انسان دوسرے انسان سے بھاگتا۔ کتراتا اور دوریاں کیوں بڑھاتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ خلاف قدرت نہیں۔ اسی قانون قدرت کو سمجھنے اور اسی قدرتی فلسفہ کو زندگی کا آدھار بنانے کیلئے کشمیریت کا جنم ہوا ہے۔ یہ فلسفہ انسانی میل جول اور قوت برداشت کا نام ہے۔ ہمارے جتنے بھی ریشی، منی، پرہیزگار، مطلق صاحب نظر، صاحب خرد اور صاحب دِل ولی کامل جتنے ہیں سب نے یہی قانون قدرت اپنایا۔ اور یہ تصور اتنا پُرانا ہے جتنا ستی سر میں آبادی کا وجود عمل میں آیا ہے۔

सर्वे कश्यपदा नागा सर्वे नीलमनुव्रताः
सर्वे निवसिता राजन वासुकेः समहात्मनः

۵ے یہاں ناگ سے مُراد دوسری جاتیوں اور قبیلوں سے بھی ہے۔ جیسا کہ آگے اسکی تفصیل ملتی ہے۔

نیل مت پوران آریوں اور باقی لوگوں سے کہتا ہے ۔

" سارے ناگ جو برکت دینے والے ہیں ۔ یہ راجہ نیل کے وفادار ہیں اور یہ سارے لوگ اپنے ایشٹ دیو واکی ناگ کی پوجا کرتے ہیں جو کافی عقلمند اور خدا دوست ہے ۔"

کشمیر کے بارے میں نیل مت کی عقیدت

میں نے تم کو کشمیر کے سرحدوں کا محافظ بنالیا ۔ یاد رکھو ۔ کشمیر کے لوگوں کو صرف پیار سے جیتا جاسکتا ہے ۔

" جو کشمیر کے دریاؤں میں نہاتا ہے وہ سارے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے ۔ خاصکر وِشو دریا میں غوطہ لگانے سے آدمی شِو کی خوشنودی حاصل کرتا ہے ۔

وِتستا مہاتم میں برنگیش ریشی لکھتا ہے کہ کشمیر میں جتنے بھی مقدس مقام ہیں ۔ وہ صرف اوڑی تک ہیں ۔ اسکے آگے کسی دیوتا کا ستھان نہیں ۔ " بغیر " شاردا ماں " ، جو کشمیر کے ماتھے پر علم ۔ عقل ۔ عرفان ۔ عمل ۔ سخاوت اور شجاعت کے موتی بکھیرتی ہے ۔ اسطرح برنگیش اپنی عقیدت اور پیار کشمیر پر نچھاور کرتا ہے ۔

تاریخ دانوں نے " کشمیریت " کی بہت سی تاویلیں کی ہیں ۔ تاریخ دانوں نے عوام کے رجحان ۔ اُنکے جبلی خواص ۔ نفسیاتی پہلوؤں کی تشریح ۔ مزاج ۔ سوچنے کا ڈھنگ ۔ دوسروں سے پیش آنے

کی بھاونا۔ سُکھ دُکھ میں شریک ہونے کے جذبے کو ایک استعاری اور علاقائی لفظ (पुण्य फल) پونیہ پھل۔ اچھائی کو حاصل کرنیکی۔ اچھائی کو حاصل کرنے کی جستجو۔ شانتی۔ مکھتی اور آتمہ گیان (عرفان ذات) حاصل کرنے کا مارگ راستہ تبلاکر کشمیریت کے بابرکت نام کے ساتھ دنیا بھر کی اچھائیاں جوڑ دی ہیں۔

کئی مورخوں نے کشمیریت کے معنوی پہلو کو حب الوطنی سے جوڑ کر تاریخی حوالوں سے ثابت کرنیکی کوشش کی کہ جب محمود غزنوی نے کشمیر پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو یہاں کے سرحدی محافظوں نے غزنوی کے اس یلغار کو پسپا کر دیا۔

جب للتادتیہ نے جنوبی بھارت کو فتح کر لیا تو لوگوں کو ہدایت کیگئی کہ شمال یعنی کشمیر کا رُخ یا کشمیر کے سمت میں جب چلنے لگو تو احتراماً ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ رکھو اور سر کو تعظیم کیلئے آگے جھکا دو۔ جب دھوتیاں باندھنے لگو تو اس کا ایک سرا ہوا میں لٹکتا رہے تاکہ یہ اُس ناگ ونش کی یاد دِلوں میں تازہ کرتا رہے جس ناگ قبیلے کیساتھ للتادتیہ کا تعلق رہا ہے۔ اسی طرح جب ہندوستان کے کسی حصے میں بچوں کو تعلیم دینے کا عمل شروع ہوتا تھا تو اُنکو ہدایت تھی کہ شاردا یعنی کشمیر کی طرف مُنہ کر کے سات قدم پہلے چلو۔ کیونکہ تعلیم اور عرفان کے سرچشمے کشمیر میں ہی پھوٹے ہیں۔

یہیں انسان دوستی کی خاصیت کشمیری عوام کے دِلوں میں ہزاروں سالوں سے پنپ رہی ہے۔ اسی جذبے۔ ولولے اور بھاونا کو کشمیریت کا نام دیا ہے۔

یہی مِلی جُلی تہذیب ہزاروں سال سے اہل کشمیر کے دِلوں میں جوت بن کے جھلملا رہی ہے یہاں کی تہذیبی۔ تمدنی اور روحانی وراثت ہم نے بزرگوں سے حاصل کی ہے اسی اخوت اور خلوص کو ہم نے کئی آزمائشوں میں سچ ثابت کر کے دکھایا۔ اسی تہذیبی ڈھانچے میں ہر کسی کا نقطہ نظر سمجھنے کی گنجائش ہے۔ یہ فلسفہ دنیا کے کسی علاقے میں نہیں پایا جاتا۔ -:- -

کشمیریت کو سمجھنے کا قطب نما

کشمیریت کے فلسفے کو سمجھنے کے لئے کلہن نے راج ترنگنی کے دیباچے میں لکھا ہے۔
میں کشمیر کے حسن اور پاکیزگی کہاں تک بیان کروں۔ روئے زمین پر اس جنت جیسی
جگہ پر جنم لینے والے کو خدا کا شکریہ ادا کرنا چاہئیے۔

یہاں وتستا ناگوں اور آریہ لوگوں کو اپنی کوکھ میں پالی ہے۔ یہاں
سرسوتی (علم و دانش کی دیوی) کے درشن سخنور اپنی سریلی شاعری میں کرتے ہیں۔
اس سرزمین پر وجیشور۔ چکردھر اور کیشو جیسے عظیم مقامات قابل دید ہیں۔ چونکہ
ایسی عظمت رکھتا ہے۔ اسکو تلوار کے زور سے نہیں بلکہ علم و عمل سے ہی فتح کیا جاسکتا ہے
کشمیر واسی دشمن سے نہیں بلکہ بُرے اعمال سے ڈرتے ہیں"

کشمیریت ہزاروں سالوں کے ثقافتی، تمدنی۔ تخلیقی۔ روحانی سفر کی کہانی ہے۔
ہم کشمیریت کا ذکر کرکے اہل کشمیر کے فکر کی گہرائی کو ناپ سکتے ہیں۔ انکی دانشمندی۔ ذہنی
فکری و نظریاتی و دیانتداری کو پرکھ سکتے ہیں۔ کشمیریت کوئی دیو مالائی کہانی نہیں بلکہ
آپسی میل و ملاپ کا درخشندہ باب ہے۔ ہم اس قطب نما سے کشمیری عوام کے فکری بالیدگی
کو ناپ سکتے ہیں۔ کشمیریت مختلف فرقوں اور مختلف الخیال لوگوں کے ملن کا نام ہے۔
ناگ، پشاچ، درد۔ یکھش۔ ابھیسار۔ آریہ۔ بودھ۔ کرات۔ مسلمان۔ ان سارے
قوموں کے ملن سے کشمیریت کا شیش محل تعمیر ہوا ہے۔ اسی ایکتا کے فلسفے نے یہاں کے دانشوروں
مفکروں، فنکاروں، سائینسدانوں۔ ادیبوں۔ صوفیوں، ریشیوں۔ شیو درشن ماننے والوں
بدھ مت کے عاشقوں۔ اسلامی توحید کو پیار کرنیوالوں کا ایک حسین سنگم تیار کیا جس میں کشمیری
قوم کی اُتار چڑھاو کی سچی تصویر دیکھنے کو ملتی ہے۔ کشمیریت کا قطب نما ہمیں قدیم فلسفہ، ادب، قلمی نسخے
روزنامچے، ڈائیریاں، لوک کہانیاں، کُتبے اور فنون لطیفہ، عمارات، کھنڈرات، مصوری کے

نمونے نوادرِ دات۔ سِکے۔ مہریں۔ اوزار۔ رہن سہن کے طریقے، غرض زندگی کے ہر گوشے کو سمجھنے اور پرکھنے کی طرف اپنی سوئی گھماتا ہے۔

بُلہن کا اقرار نامہ

کلہن پنڈت کا قریبی ساتھی اور بچپن کا دوست بلہن اپنی شعلہ بیانی اور شاہ مخالفت کی وجہ سے دربار کی عقابی نظروں میں پھنس گیا۔ راجہ نے حکم دیا کہ اسکو پکڑ کر پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے۔ کسی طرح کلہن کو راجہ کے اس فیصلے کی بھنک پڑی۔ تو اُسکی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔۔ وہ رات کے اندھیرے میں بلہن کے پاس پہنچا اور اسکو ساری روئیداد سنائی۔ اور اپنے عالم وفاضل ادیب اور شاعر دوست کو رات کے اندھکار میں بھاگنے پر مجبور کیا۔ آخر بُلہن موقعے کی نزاکت سمجھ کر بھاگ نکلا۔ اور کئی مہینوں کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ جنوبی ہندوستان کے مشہور شہر میسوّر پہنچا۔ وہاں کے راجہ نے جب بُلہن جیسے عالم وفاضل کے آنے کی خبر سُنی تو وہ پیدل ننگے پاؤں شہر سے باہر بلہن کے استقبال کو نکلا۔ بلہن کو ہاتھی پر بیٹھا کر خود راجہ بُلہن کے آگے پیدل چلنے لگا۔ اتنی عزت پانے کے بعد بھی بُلہن اپنی کتاب "چور پنچاشکا" میں کشمیر کا ذکر کر کے خون کے آنسو بہاتا ہے۔ اُس سے کشمیر کی جُدائی برداشت نہیں ہوتی۔ لکھتا ہے "جس کاشمیر کا ذرہ ذرہ قدرت نے اپنی کاریگری کے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ جس کشمیر کو وِتستا ندی سیراب کرتی ہے۔ جہاں رشی منی اور پرہیزگار لوگ رات دِن یادِ الٰہی میں محو رہتے ہیں۔ جہاں علم، عمل اور عرفان کے نغمے گونجتے ہوں۔ ایسے دیش کو چھوڑنا اور ایسی ماتا کی کوکھ کو تیاگنا انسان کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے"

۔۔ ساہتیہ پرکاش کا حوالہ ۔۔

جہاں کوئی پریشانی نہیں۔ دُکھ اور مصیبت کا نام نہیں ہے۔ جہاں قناعت اور خواہشات پر قابو پانا۔ شانتی اور سکون عام سی بات ہے۔ جہاں نیک اور تپسوی رشی رات دِن یادِ الٰہی میں محو رہتے ہیں۔ اسی کشمیر کی دھرتی پر فرشتے (دیوتا) جنم لینے کے خواہشمند رہتے ہیں۔

؞ ؞ ؞ ؞ ؞ ؞ ؞

اگر ہم لل دیدکے وقت کا ایک سیاسی گراف تیار کریں۔ تو صاف عیاں ہے کہ کشمیر کی سرزمین بے گناہوں کے خون سے تر ہوگئی تھی۔ ایک غیر یقینی ماحول۔ گھٹاٹوپ اندھیرا چاروں اطراف پھیلا ہوا تھا۔ سماجی لٹیروں نے انسان اور انسانیت کو کچل کے رکھ دیا تھا۔ کوئی اپنے کو محفوظ نہیں سمجھ رہا تھا۔ خزانہ عامرہ کو نقلی سکوں سے بھر لیا گیا۔ قحط اور موذی بیماریاں چاروں اور پھیلی تھی۔ زراعت، باغبانی صنعت و حرفت سب ردی کی ٹوکری میں پڑے تھے۔ لوٹ مار اور غارت گری کا ماحول چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ مختلف فلسفوں کا جماو پیدا ہوا تھا۔ اقلیت اس مصیبت کی سب سے زیادہ شکار تھی۔ اس اندھکار کے اندھیرے میں کشمیر کی تہذیبی اور فلسفی آکاش میں دو گیان کے سورج چمک اُٹھے۔ لل دید اور علمدار کشمیرؒ جنہوں نے اس افراتفری۔ بدگمانی اور بے اطمینانی کی فضا کو یکسر بدل دیا۔ لل دید نے اخوت اور بھائی چارہ قایم کرنے کیلئے پہلا انقلابی شنکھ بجایا ؎

شِو چھُے تھلِہ تھلِہ روزان
مو زان ہیوند تے مسلمان
ترک ہے چھ کُھ پان پرزنان
سوے چھے زَنیس سیتِ زانی زان

شِو تمہیں ایک ٹِک دیکھ رہا ہے۔ اے نادان تو کیا ہندو اور مسلمان میں فرق پیدا کرتا ہے تمہیں اپنے آپ کی خبر نہیں۔ اگر تو نجات پانا چاہتا ہے تو انسان کو تقسیم کرنے سے پہلے اپنے آپ کو پہچان لو۔ لل دید نے صرف ایشوری گیان اور ادویت واد کی تشریح ہی نہیں کی ہے بلکہ سماجی بدلاو اور کلچرل انقلاب کی رہنمائی کی ہے۔ اس نے فکر و عمل کا ایسا جادو بکھیر دیا جس کو دیکھ کر اہلِ دل و اہلِ خرد انگشت بدندان رہ گئے۔

لل دید کشمیر میں ادویت واد کی میر کارواں بنی۔ بھگتی تحریک کے نامور عالم اور گیانی نام دیو کا کتھن ہے۔ "اے راہ سے بھٹکے براہمن۔ میں نے آج (وٹھل) بھگوان کے درشن کر لئے۔ میں نے شو کو برشب پر سوار دیکھا۔ میں نے رامچندر۔ سیتا اور لچھمن کے درشن کر لئے۔ میں کس منہ سے اس کا ورنن کروں۔ ہندو پاگل ہیں اور مسلمانوں میں بینائی کی کمی ہے۔ یہ حیران کرنیوالے منظر صرف گیانی دیکھتا ہے چاہے وہ ہندو یا مسلمان۔

("گرنتھ صاحب سے ماخذ")

* * *

لل دید کے تصورات میں سماجی انقلاب کا ایک خاکہ بنا تھا۔ اس نے سماجی برائیوں۔ استحصالی عناصر کی ریشہ دوانیوں، شاہ پرستوں، جھوٹے اور مکار سادھوؤں فقیروں، ضعیف الاعتقادی۔ مذہب کی باہری روپ دیکھا۔ رسوماتی کہانیوں پر حد سے زیادہ بھروسہ کرنیوالوں۔ عورتوں پر ظلم و ستم ڈھانے والوں، ظاہر پرستوں کی پوجا کرنیوالوں کے خلاف اس سادھوی نے بھرپور حملہ کیا۔ اگر عقلمند ہو تو باہر کی دنیا کو لوٹنے کے بدلے اندر کے دنیا کی کھوج میں لگ جاؤ۔ لل دید شعور کی پختہ کاری اور سماجی واقعات کو سمجھنے کی آگہی رکھنے والی ایک قلندر صفت کامل کے روپ میں جلوہ گر ہوئی۔ جو اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ یہ گیان کا پرکاش۔ سماجی ادراک مجھے دروں خانے میں پیدا ہوا ہے۔

اورُک دِپُن پیٛلہ وندٕ وُزیوم
رٕتن دٕیپ پٔژزلِیوٗم ورزٕنہ واو

جب مجھے باہری دُنیا کی گھٹا میں گھیر نے لگیں۔ جب مجھے نراشا اور نااُمیدی نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جب اندھیرے کے سوا مجھے کچھ نظر نہ آیا تو میرے اندر ایک کشمکش پیدا ہوئی۔ تب مجھے اچانک مسائل کو حل کرنے کا راستہ مل گیا اور گیان کا دیپک میرے اندر جل اُٹھا۔

اعتراف

للہ دید کی متاثر کُن جدّوجہد اور وجود کی گہرائی میں جھانکنے کی عمل کی وجہ سے بیرونی دنیا کے فلاسفروں۔ تاریخ دانوں اور ادیبوں نے للہ دید کو کشمیر کی شناخت بتلایا۔ "نیلا کرام کُک" نے انگریزی مصنّفہ اپنی کتاب "THE WAY OF THE SWAN" میں للہ دید کے تجربوں کی گہرائی پر حیرت زدہ ہوگئی ہے۔ امریکن رسالہ "لایف" اور "ٹایم میگزین" رقمطراز ہیں:۔

"کشمیر کی ایک زنانہ شاعر شوجی کے گیت گاتی ہے"۔ اس بات کی کتنی اہمیت ہے، کہ اسکا اندازہ اس بات سے لگتا ہے کہ دسویں۔ گیارھویں اور بارھویں صدی کے تین سو برسوں میں مشرق میں صرف ایک عورت کو عزت اور وقار عطا ہوا ہے۔

یہی وقار عزت واحترام سولھویں صدی سے جب "اسرار ابرار" کتاب میں اس عارف باللہ شخصیت کا پہلی بار ذکر ہوا ہے۔ اب تک برابر قایم ودایم ہے۔

للہ دید کی عظمت کا اندازہ ہم اُنکے کسی بھی واکھ سے لگا سکتے ہیں۔ مثلاً "دراس کپسہ پوش سیٛترے"، اس واکھیہ میں للہ دید اپنی جدّوجہد اور قیامت خیز

افراتفری، سیاسی اور سماجی اندھیر نگری میں اپنی مقابل آرائی کا ذکر کرکے عالموں، نقادوں اور عقیدتمندوں کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کرتی ہے۔ ایسی باوقار شخصیت کے تئیں جتنی بھی ہمدردی، احترام اور عزت افزائی کی جائے اُتنی ہی کم ہے۔ اسی انقلابی شخصیت نے اُس کالی چادر کو ریزہ ریزہ کردیا جو سیاسی زبوں حالی نے عوامی صفوں میں بچھائی تھی۔ جب بیرونی دُنیا کے عالموں نے لل دیدکو تین سَو سال کی نمائندہ خاتون قرار دیا۔ تو ہم اس بات پر فخر کر سکتے ہیں کہ "تیرھویں (۱۳) صدی عیسوی میں کشمیر میں ایک نامور خاتون لل دید ہوئی ہیں۔ جو شیو سدھانت یا شوجی کا گُن گان کرتی ہیں۔

بھگتی تحریک کے صفِ اول کے معماروں نے آپسی بھائی چارہ۔ ایکتا اور پریم بھاؤ پر سارا زور صرف کیا۔ مگر لل دید اس ضمن میں پہلی مارگ درشک ہیں کہ اُنھوں نے سماج کی برائیوں۔ استحصال کرنیوالوں، سماج میں بے راہ روی پیدا کرنے، مختلف فرقوں میں آپسمیں لڑانے اور فرقہ بندی کرنے والوں کے خلاف علم بغاوت بلند کی ہے۔

لل دید کے متعلق تواریخ دانوں کی عدم توجہی

لل دید کے بارے میں اُنکے ہم عصر تاریخ دانوں جون راج۔ شری ور۔ شُک اور پراجیہ بھٹ نے عدم توجہی کا اظہار کرکے اُنکی بابرکت شخصیت کو اپنی کتابوں میں جگہ نہیں دی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس شعلہ بیان عارفہ نے شاہی خاندان سے قرابت رکھنے والے۔ سماج کو استحصال کی زنجیروں میں جھکڑنے والے۔ عورت ذات کے تئیں سرد مہری جاری رکھنے والوں کے خلاف علم بغاوت بُلند کی ہے۔ جسکی وجہ سے شاہی دربار سے قرابت رکھنے والوں نے اسکو سرے سے ہی بلیک اوٹ (BLACKOUT) کرلیا۔

اگر حضرت علمدار کشمیرؒ نے لل دید کے بارے میں پُر زور شہادت نہیں دی ہوتی تو آج ہم لل دید کو ایک افسانوی کردار سمجھ کر بلا بیٹھتے۔ پھر تقریباً دو سَو سال گذرنے کے بعد کشمیر کے شہرۂ آفاق ادیب اور عارف باللہ درویش بابا داد مشکواتی نے پہلی بار اس بابرکت خاتون کا ذکر اپنی کتاب "اسرار الابرار" میں کیا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"لل دید نے اہلِ کشمیر خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان۔ امیر ہو یا غریب سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا" لل دید نے اپنا کلام عوامی زبان یعنی کشمیری میں لوگوں تک پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام نے اس معرفت سے بھرے کلام کو بہت پسند کیا۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے اپنی کتاب "واقعاتِ کشمیر" میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے کہ یہ تاریخی کتاب ۱۷۴۶ء میں تحریر ہوئی ہے۔ ۱۸۳۵ء میں کشمیر کے بلند پایہ تاریخ نویس حسن کھوئیہامی نے لل دید کے انقلابی، فلسفی اور روحانی عظمت کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ کشمیر کے مشہور سنسکرت عالم باسکر رازدان نے آج سے دو سَو سال پہلے لل دید کے کلام کی تشریح لکھی ہے۔

سر والٹر لارنس نے اپنی کتاب VALLEY OF KASHMIR اور سر جارج ٹمپل کی کتاب "لل واکھ" و سر جارج گریرسن کی کتاب "لل واکیا نی" میں اس تاریخ ساز شخصیت کی سراہنا کی ہے۔ لل دید کی رہنمایاں زندگی اور کشمیر کی ثقافتی۔ روحانی، سماجی، تمدنی، اخلاقی و ادبی زندگی پر اس کلام کے اثرات ان تاریخی و ادبی کتابوں میں بھرپور نشاندہی کی گئی ہے۔

۔۔ تہذیبی یگانگت اور لل عارفہ کا موثر رول ۔۔

لل دید نے فکری اور عملی زندگی کی حقیقتوں کو اُجاگر کرکے ایک ایسے سماج کا ذہنی ارتقا پروان چڑھایا جس سماج کا بنیادی پتھر کشمیریت کے تصور میں رنگا ہوا تھا۔

لل دید کے زمانے تک دو فکری تہذیبوں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا قریب قریب ہوا تھا۔ اسلامی توحید اور شیو درشن کا ادویت واد (توحید) ایک دوسرے کے قریب آرہے تھے۔

ممکن تھا کہ چند بنیادی اصولوں، طریقہ عبادت، سماجی مسایل۔ رہن سہن کے طریقے اور دو روحانی و ثقافتی قدروں کے ملاپ (FUSION) سے مسایل کے اُلجھنے کا ڈر سا پیدا ہوا تھا۔

مگر اس روشن دماغ اور بالغ ذہن عارفہ نے بیچ کا راستہ نکال کر انسان دوستی۔ خلوص۔ بھائی چارہ۔ بقائے باہم اور رواداری کے مہکتے پھولوں سے سماجی بنجر کو زعفران زار میں تبدیل کرلیا۔

علمدار کشمیرؒ کا تاریخی کارنامہ

لل دید نے آپسی بھائی چارہ، میل ملاپ، عرفان ذات، شونیہ واد کا سفر اور فکر کی گہرائی میں جانے کا درس دیا۔ اور علمدار کشمیرؒ نے اس فلسفہ حیات کو جدید اصولوں پر استوار کیا اس مسلک کا نام ریشیت رکھا۔ ریشی مت کشمیر کی قدیم ترین فلسفی روایات رہی ہے۔ علمدارؒ نے پہلے کے ریشیوں کی قدردانی کرکے مساوات اور پُرامن زندگی بسر کرنے کی تاکید کی۔

لل دید نے اگرچہ آپسی برادری اور یگانگت کے سنہری اصولوں کو عام کر دیا۔ مگر اُس نے اپنے تخلیقی عمل میں ریشیت کا ذکر نہیں کیا ہے اور حضرت شیخ نے تخلیق اور تخیل کے جدید سانچے میں فلسفے کو ڈال کر ایک مہکتے گُلستان کی آبیاری کر دی۔ جس کا ذکر اگلے صفحوں میں ویستار سے آئے گا۔

. . . .

بھگتی تحریک اور برہمنیت فرقے کا کھُلا اختلاف

ہندوستان میں بھگتی یعنی برادری۔ میل ملاپ۔ قوت برداشت۔ پُرامن زندگی گذارنا۔ عرفان ذات حاصل کرنیکا نام بھگتی کی تحریک کا پڑا۔ یہ فلسفہ صوفی سنتوں ریشیوں۔ عالموں اور فلسفہ دانوں نے شروع کیا ہوا ہے۔ اس کارواں کے ہراول پرہیزگاروں

میں نام دیو۔ رامانج۔ بھگت کبیر۔ سورداس۔ گورونانک۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ۔ امیر خسرو رحیم۔ رس خان۔ میرابھائی۔ گورو روی داس۔ خواجہ محی الدین چشتی۔ تکارام۔ سندرا مورتی شامل ہیں۔ انکے بتائے ہوئے سُنہری اصول ہر کسی نے پسند کئے۔ اور عوام نے ان بزرگوں کو پلکوں پر بٹھایا۔ یہ اُنکی تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان مذہب۔ فرقہ بندی اور ذات پات کے خانوں میں بٹ جانے سے محفوظ رہا۔

اگر ہم تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو یہی سنہری اصول پانچہزار سال پہلے ہی ویدک ریشیوں نے تبلائے تھے مگر ان اصولوں کے ساتھ تنقید نگاروں کے ایک گروہ نے زبردست اختلاف کیا۔ اُن میں صفِ اول کا تنقید نگار "چارواک" تھا۔ اِس کے ہمعصروں کو برہسپت نام پڑا۔ اُنکا اختلاف یہ تھا کہ ویدک عالموں نے عام لوگوں کی بھلائی۔ اُنکے لئے سکھ شانتی کی دُعا تو کی ہے۔ مگر اِس کے ساتھ ہی اُنھوں نے راجہ، اُسکے درباریوں اور اُسکے مُداح خانوں کی لمبی عمر کی دُعائیں کی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ راجاؤں نے ان ریشیوں کو انعام اکرام سے نواز کر اپنے لئے دُعا کرائی ہے۔ اگر کوئی راجا پرجا مخالف ظالم اور جابر ہوگا کیا ہمیں اُسکی درازی عمر کی دُعا کرنی ہوگی۔ براہمنوں نے چارواک کے فلسفے کو "اشودھ ودھیا" ناپاک علم بتا کر لوگوں کو اس فلسفے کی کتابوں کو پڑھنے سے ممانعت کردی۔
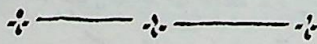
یہی صورت حال ہمیں لل دید اور حضرت شیخ کے متعلق بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ لل دید کے انقلابی فلسفے اور سماجی مسایل کے اُبھارنے کو ایک عورت ذات کا اکھڑپن سمجھ کر اسکو سرے سے ہی نظرانداز کردیا گیا۔ تاریخ دانوں نے اسکو اپنی کتابوں میں کوئی جگہ نہیں دی۔ ناہنجار لوگوں نے اس پر طرح طرح کے الزامات لگائے۔ اسی طرح حضرتِ شیخ کیخلاف انجانے اور ظاہر پرست لوگوں نے بغاوت کا بگل بجا دیا سلطان وقت کے سامنے اس کو شعبدہ باز

کہہ کر اسکو قید میں ڈالنے کی سفارش کی۔ توہم پرست سلطان نے درباریوں کے کہنے کو سچ سمجھ کر حضرت شیخؒ کو قید کرنیکا حکم دیا۔ مگر جب علمدار کشمیر بادشاہ کے روبرو کھڑے ہوئے۔ تو بادشاہ حضرت شیخ کا جلال دیکھ کر تھرا اُٹھا۔ اور اُنکو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔

٭ ٭ ٭

گوتم بُدھ کا اشٹانگ مارگ اور نندہ ریشی

چارواک کے ڈھائی ہزار سال بعد گوتم بدھ پیدا ہوا۔ وہ چارواک فلسفہ سے متاثر تھا۔ اس طرح چارواک فلسفہ کو پہلی بار شاہی سرپرستی حاصل ہوئی۔ مہاتما بدھ نے ذات پات اُونچ نیچ۔ رنگ ونسل کی اونچی دیواریں مسمار کردیں۔ اُس نے ایک ایسے سماج کی بنیاد رکھی جہاں انسان اور انسان میں کوئی تمیز نہیں تھی۔ لوگ ذات پات کے بندھنوں میں ایسے جکڑے پڑے تھے کہ اُنھیں اس خطرناک دایرے سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ گوتم بدھ نے اعلان کر دیا میرے سامنے راجا اور رنک میں کوئی تمیز نہیں۔ کوئی ذات نہیں۔ عورتوں کا ستی ہونا۔ راجا کو باقی لوگوں سے فضیلت دینا۔ استحصال کرنا مہاپاپ ہے۔ عام لوگ بددیانت سرکاری اہلکاروں اور سماجی چالبازوں سے اتنے تنگ آئے تھے کہ اُنھیں بُدھ دھرم ایک نجات کا راستہ دکھائی پڑا۔ اور وہ جوق در جوق نئے مذہب میں شامل ہوئے۔ اسیطرح جب علمدار کشمیرؒ نے لل دید کو عرفان کا تاج پہنایا اور اس کو انسانیت کا رہبر تسلیم کیا تو دو سو سال کے بعد تاریخ دانوں کو لل دید کی اہمیت کا احساس ہوا۔

اسیطرح جب زین العابدین بڈشاہ نے نندہ ریشی کی تعلیمات کے احترام میں اپنے دروازے ہر کسی دھرم ذات اور عقیدے رکھنے والے لوگوں کیلئے کھُلے چھوڑ دیے تو سرزمین کشمیر میں انسان دوستی کا نیا سورج طلوع ہوا۔ مگر بُدھ مت کے زوال کے بعد

ہندوستان کی سماجی ۔سیاسی ۔معاشرتی ۔تہذیبی ۔تخلیقی اور روحانی دنیا میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔

بودھ فلسفہ ۔ اسلامی توحید

ویدک دھرم ۔سکھ پنت ۔عیسائیت ۔ پارسی مت ۔جین مت ہندوستان کی علمی عقلی ۔تمدنی اور روحانی ساگر میں مدوجزر پیدا کر کے اسکے عقلی اور شعوری کناروں کو ریزہ ریزہ کر کے گذر رہی تھی۔

اس فلسفہ کھینچا تانی نے بھگتی تحریک کو جنم دیا۔ یہ تحریک ہر مکتب فکر کے دانشوروں کو پسند آئی کیونکہ اسمیں ہر مذہب کے زرین خیالات کو ایک مالا میں پروسا گیا تھا۔ اس لئے یہ تحریک سب کو بھا گئی۔ اسیطرح کشمیر میں جب ریشی مت نے حضرت شیخؒ کے ہاتھوں جنم لیا۔ تو یہ امرت دھارا ہر کسی کیلئے رحمت ثابت ہوئی۔ بہت دیر کی افراتفری اور سماجی وسیاسی اتھل پتھل کے لبعد لوگوں نے امن اور اطمینان کی سانس لی ۔

لل دید اور نندہ ریشی نے اسلامی توحید اور شیو درشن کے ادویت واد (یکسانیت) کو تخلیقی اور فکر کی گہرائیوں میں محو ہو کر ان دونوں فلسفوں کی مماثلت کو محسوس کر کے ایک بیچ کا راستہ تلاش کر کے ریشی مت کا محل تعمیر کر لیا۔ لل دید کے تصورات میں سماجی انقلاب کا ایک خاکہ تھا۔ اس لئے اُس نے اپنا پہلا وار استحصالی عناصر پر کیا۔ ۵

اٹھ پنچ سن دِتھ تھاوان مٹن
لوبہ بوچھ ہوِلان گیہ پنچ کتھ
فٹہ فٹہ نیرِ ن تیم کتہ وٹن
تُرک دے مالہ چھکھ تہ پوٗر گژھ ییتھ

ایک جگہ کا لُوٹا ہوا مال دُوسری جگہ چھُپا کر رکھتے ہو (اس بند سے ظاہر ہوتا ہے کہ سماجی بے راہ روی۔ سیاسی عدم استحکام اور زبوں حالی کسقدر پھیلی ہوئی تھی۔ کہ سماجی لُٹیرے دِن دہاڑے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیئے ہوئے تھے۔ یہ سارا کام انڈر ورلڈ (UNDER WORLD) کے ذریعہ سے ہوتا تھا اور بیرونی سطح پر یہی لوگ مندروں کے اور مٹھوں کے پجاری ہو کر لوگوں کو گیان اور پرہیزگاری سکھلاتے تھے۔ یہ واکھ اُسوقت کی سیاست کا ایک مکمل گراف ہے جو اس عہد ساز شخصیت نے چار لائینوں میں قلم بند کیا ہے۔ پھر ایک سماجی اور سیاسی نباض کی طرح کہتی ہے کہ ایسا کرنے سے تم کو کچھ ہاتھ آنیوالا نہیں۔ کیونکہ تم نے اندر کی روشنی کو بجھا کر ٹمٹماتے دِیئے کی آس رکھی ہے۔ مگر اس میں تم پرکاش کا تیل کہاں سے لاؤگے اور یہ دِیا کیسے روشنی دے گا۔

دیو وٹا دِوَر وٹا\
ہیُیر بوُن چھُے ییکے واٹھ\
پوز کس کرکھ ہیُوٹا\
کرمنس تہ پونس سنگھاٹھ

یعنی بڑے بڑے مندر تعمیر کرتا ہے انہیں مورتیاں سجاتا ہے۔ جو مورتی سے پرنالی تک پتھر کا روپ ہے۔ اے نادان پنڈت تو کس کو پوُجتا ہے۔ آتما کو جب پرماتما کیسا تھ ملایگا۔ تو جانو تمہارا بیڑا پار ہوا۔ اس واکھیہ سے پتہ چلتا ہے کہ لل دید نرگن وادی تھی۔ وہ ایشور کو مادی چیزوں سے بالاتر سمجھتی تھی۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ ہندو تاریخ دانوں نے اسکو سائیڈ لائن (SIDE LINE) کر دیا۔ یہ واکھ اُن ظاہر پرستوں کیلئے چیتاونی ہے جو مٹھ اور مندر تعمیر تو کرتے ہیں مگر ان کو اپنے آپ کی خبر نہیں۔ یہ بھی سماجی استحصال کی طرف اشارہ ہے۔

ہیچھِ ہارنچہ پیٹرِ و کان گوم
کلُفہ رُوس وان گوم ژالہِ کھو

یہ اُن بہرو پیوں کی طرف اشارہ ہے جو عورت کو گھر کی جائیداد سمجھ کر اس کا انادر کرتا ہے۔ یہ ایسا دوکان بناتا ہے جسکے اندر چیزیں قرینے سے سجائی ہوئی ہیں۔ مگر اس کا دروازہ تالے کے بغیر ہے۔

ہیہے ماتر رُوپ پے دِیے
ہیہے بآریا رُوپ کرِو شیش
ہیہے مایا رُوپ انتہِ زُو ہیہے
شِو چھُے کرُوُٹھ تہِ ژین وہ اپدیش

جس عورت کو تونے بازاری چیز بنایا۔ تو سمجھتا نہیں یہی عورت کبھی ماں بنتی ہے اور اسکے قدموں میں جنت لکھی ہے۔ یہی عورت بیوی بن کر کائینات کی رچنا کرتی ہے۔ یہی عورت ایشور کا مایا سرُوپ ہے۔ یہی عورت شِو کی شکھتی ہے۔ یہ سمجھ کیونکہ شِو کا تصور بڑی مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔

:: :: ::

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ لل دیدِ عورتوں کے حقوق کی بات کرتی ہے۔ جبکہ آج تک عورت کو سماج میں جائیز مقام حاصل نہیں ہوا ہے۔ اس سے ہم لل دیدِ کا تخلیقی سفر، تجسُس اور فکرِ کی بُلندی کا احساس کرسکتے ہیں:: ———— ۱۰۔

ظاہر داری اور نقلی سادھو

اسہِ پیٹھ ندِ زوٗسہِ زامہِ
نیتھے سنان کرِ تیرتھس
وٕہری وٕہرس نوٗنے آسسے
نشہِ چھے تہِ پرزانتن "

ظاہر پرستوں کے خلاف اعلان جنگ ہوتے ہوئے عارفہ کہتی ہے۔ ارے پاکھنڈی سادھو تو کیا سال بھر ننگا رہے کا ناٹک کرتا ہے۔ تمہیں خبر نہیں کہ تیرتھوں پہ نہانے کے بدلے اگر تونے ایک بار اُسکو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہوتی تو اُسکو تو اپنے پاس موجود پاتا۔ کیونکہ سنان کرنا۔ کھانسنا اور YAWNING جمائی لینا وہ خود کرتا ہے سب تیرتھ اُسکے بنائے ہوئے ہیں۔ وہ تمہارے پاس رہتا ہے تو اُسکو کہاں کہاں ڈھونڈتا ہے۔

لتن ہُند ماز لاریوم وتن
اَکی ہاوم اکہ ہیِ وَتھ
یمِ یمِ بوزن تمِ کونہ متن
للہِ بوٗزشتن کتیٔ کتھ

میں عمل کرنے کی جدوجہد میں بہت تھک گئی۔ مسلسل عمل کے اور سفر کے کانٹوں نے مجھے لہولہان کر دیا۔ میں نے قسم قسم کے لوگ دیکھے۔ ساری سماجی حقیقت کو میں نے باریک بینی سے دیکھا۔ پھر مجھے مردِ کامل (گورو مہاراج) کے درشن ہوئے۔ اُس کے سمجھانے میں سمجھ گئی کہ سارے ایک ہیں۔ دوئی کا مسئلہ نہیں۔ وہ ایک ہے اور اسکی بنائی ہوئی کائنات اُسی کا روپ ہے۔

پرتے پان یٔتھ سوم مون
یٔتھ ہیوٗ مون دِن کھورانھ
یٔتھ سے اُدے من سآپنُن
تمۍ ڈینوٗ ٹھے سُرگرُ ناتھ

جس نے دوئی کے پردے ہٹا لیے۔ جس نے انسان اور انسان میں تمیز کرنے کی بھاونا کو ختم کر لیا۔ جس نے غم اور خوشی کو ایک سمان سمجھ لیا۔ جس کا من اونچے آدرشوں کا گہوارہ بن گیا۔ اُسی نے پربھو کو پا لیا۔

لل دیدکے واکھیوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بیدار ذہین عارفہ سماج کی کلہم برائیوں سے واقف تھی۔ اس نے ایسے وقت میں سماجی انقلاب کا ناقوس بجایا۔ جب عام لوگ اِن مظالم کو قدرت کا غتاب سمجھ کر برداشت کر رہے تھے۔ مگر اس نے عوام کو سمجھایا کہ یہ ظلم اور قیامت کی گھٹا ناعاقبت اندیش حکمرانوں۔ استحصال کرنیوالوں۔ مجاوروں کا مندروں کے سمتھ داریوں کا پیدا شدہ عمل ہے اسکے خلاف اس نے عام بیداری پیدا کرنیکی کوشش کی۔

کہتی ہے ؎

پران پیکھان وُسٹھ اُونگج گجی
اُندرم ہے نو ژجی زانہہ

تو بڑی کتابوں کو پڑھتا ہے۔ کاغذ کے دفتر اُلٹ پلٹ کر دیئے۔ تو بڑا عالم ودوان بن بیٹھا۔ مگر تم اندر کی میل کو۔ منافرت کو۔ فرقہ داریت کو۔ استحصال کرنے کو ختم نہیں کر سکا۔

"نندہ ریشی"

نے اس پیغام کو نوشتہ دیوار بنا کر اپنے لئے اُس راہ کو منتخب کیا جو انتہائی خوار دار ہے۔ قدم قدم پر ٹھوکر لگنے کا احتمال رہتا تھا۔ مگر یہ مرد جرار سارے خطرات کو بھول کر کشمیریت کی کشتی کو پار لگانے میں کامیاب ہوا۔

"انسانی سماج اور تاریخ"

سُندہ ریشی نے ان ہی انسانی رشتوں کی کہانی لکھی ہے۔ فکر کے مختلف سمتوں اور تجربوں کو ریشیہ کے سانچے میں ڈھالا جب سماجی رشتے فکر۔ تخیل۔ تجربے۔ واقعات اور تلاطم سے دوچار ہوتے ہیں۔ تو تاریخ جنم لیتی ہے۔ ماضی کے تجربات و حالات کا جاننا ہر باشعور انسان کی فطرت میں رچا بسا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہماری دادی ماں بچوں کو کہانی سناتی ہے تو بچے توجہ اور شوق سے سُنتے ہیں اور کہانی سُنتے سُنتے اُنکو نیند آجاتی ہے۔ کیونکہ وہ اُسی شہزادے یا شہزادی کے تجربے میں کھو کر اپنی سُدھ بُدھ بھول جاتے ہیں۔

انسانی سماج کے واقعات، حادثات تبدیلیاں۔ ناکامیاں۔ رشتوں۔ رسموں کی بنیاد پر ہی آج کل کے ماہر لسانیات، سماجیات یا انسانی تہذیبی تواریخ کا مؤرخ انسان کے ارتقائی سفر کے بارے میں کسی رائے کا تعین کر سکتا ہے۔ اگر ہم یہ نہ سمجھ سکیں کہ قدیم انسان نے کیسے زمینی رشتے قایم کئے۔ اُسکو کیسی جدوجہد کرنی پڑی۔ اُسکی کامیابیوں کا سلسلہ قایم نہ کر سکیں تو ہم تاریخ کی جانکاری میں پیچھے رہ سکتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ بھی جاننا اشد ضرورت ہے کہ انسان نے اپنے مسایل حل کرنے کیلئے COMMUNICATION کے کونسے وسیلے کام میں لائے ہونگے۔ تاریخ نویسی کے متعلق سنجیدہ اور شعوری نمونے ہمیں پہلی بار یونانی اور یہودی تاریخ کے تہذیبی دور میں ملتے ہیں۔ یہ اپنی تاریخ کو آنیوالے کل کیلئے ایک مقدس اور کہنہ مشق اُستاد کا درجہ دیتے تھے۔ یہ انسان کے وجود کو سمجھنے کا معتبر وسیلہ تاریخ کو ہی سمجھتے تھے۔

فرانس کے مشہور تاریخ دان THOMAS CARLYLE کیمطابق تاریخ عظیم انسانوں کی سوانح حیات ہے۔ اگر ہم اس حوالے سے تاریخ کشمیر کا مطالعہ کرتے

ہیں تو کچھ ہی نام بچتے ہیں جنکو تاریخ میں اپنا جائیز مقام ملا ہے۔ اُن میں کارکوٹ خاندان کا مشہور بادشاہ للتادتیہ۔ اونتی ورمن۔ سہم دیو۔ سلطان زین العابدین (بڈشاہ) سلطان شہاب الدین۔ یوسف شاہ چک وغیرہ۔ سلطان بڈشاہ کے تیئں اُسکے وزیر اور مشہور تاریخ نویس جون راج کا یہ حوالہ کتنا دلخراش ہے "جب سلطان کی موت واقع ہوئی ؎

"زین العابدین کھاو خلد برین بے نور شد تاج و نگین۔ بے نور شد عرض و سما"

شہزادوں اور اعلیٰ آفیسروں میں دارا شکوہ۔ مہانند جو در۔ میر مقیم کنٹھ وغیرہ اور روحانی و سماجی کھیتروں میں واسو گپت (شیو فلاسفی کے موجد) سومانند۔ ابھنو گپت۔ بھٹ کلٹ۔ کھیم راج۔ تاریخ نویسی میں کلہن۔ جونراج۔ شری ور۔ مشک پراجیہ بٹ۔ بابا داؤد مشکواتی۔ بابا داؤد خاکی۔ بابا کمال۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری۔ حسن کھویہامی وغیرہ۔

صوفی بزرگوں میں خواجہ حبیب اللہ نوشہری سے لیکر عبدالاحد زرگر تک۔ پرمانند سے لیکر کرشن جو رازدان۔ لچھمن جو بلبل ناگامی۔ پرکاش رام کوریگامی تک سارے اہل قلم حضرات ادبی تاریخ میں اپنا مقام رکھتے ہیں کئی ایسے ادبی گمنام شاعر وغیرہ۔ اور تصوف۔ ریشیت اور ترکا فلسفہ کے دو میناریں لل دید اور علمدار کشمیرؒ کا نام انسانی تاریخ کے تابناک دو ستاروں کیطرح آج بھی اپنی ضوفشانی کر رہے ہیں۔ یہ صدیوں پہلے کی کہانی ہے۔ مگر آجکل کے سائنسی دور جدید میں بھی ان دو بزرگ ہستیوں کا نام امر ہے۔

اُنھوں نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔ جسطرح کنفوشس نے چین کی سیاسی سماجی اور روحانی زندگی کو متاثر کیا۔ اسی طرح حضرت علمدار کشمیرؒ اور لل دید نے ظلمات کی عجیب و غریب حالت میں سماجی شعور کی دھارا کو کشمیریت کے فلسفے میں تبدیل کرکے ایک کارنامہ انجام دیا۔

لل دید نے انسان دوستی، خلوص، پیار، یکجہتی، بقائے باہم اور محبت کا فلسفہ شو درشن کے مادھیم سے عوام تک پہنچایا۔ مگر حضرت علمدار رح نے اس فلسفہ کو ریشیت کا عملی جامہ پہنا کر دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔۔ آجتک جتنی ادبی کتابیں حضرت شیخ العالم رح پر لکھی گئیں۔ وہ سب حضرت شیخ اور اُنکے فلسفے کا شاعری پہلو پر اسطرح سما گئیں کہ کیا ادیب یا مصنف کو اس سے باہر آنیکا خیال بھی نہ آیا۔ بڑے بڑے قلمکاروں نے حضرت شیخ کے روحانی مرتبہ۔ اُنکے فکر و عمل کے مختلف گوشے۔ اُنکے مراقبے ریاضت حالات زندگی کی پرہیزگاری۔ عملی ریاضت اور سماجی سطح پر اُبھرے صاحب اقتدار لوگوں سے کشمکش کی کہانی کا بھرپور ورنن کیا ہے۔ مگر بہت کم صاحب بصیرت ایسے ہیں جنہوں نے حضرت شیخ کے اُس انقلابی ولولے کو سمجھنے یا سمجھانے کی کوشش کی ہے جس انقلابی ولولے نے تاریخ کے دھارا کو موڑ دیا۔ ایک صاحب بصیرت درویش کامل۔ عارف باللہ۔ صاحب نظر اور ولی کامل ہونے کیساتھ ساتھ حضرت شیخ رح ایک عالم صاحب فکر۔ سیاست دان۔ انسان دوست اور ولی کامل تھے۔

"اقتباس از برج نور"

"حضرت شیخ کامل ایک انقلابی تصور لیکر علمی دنیا میں قدم رنجہ ہوئے۔ نند ریشی کے زمانے سے ہی سنٹرل ایشیا اور دور مشرق کے سارے خط میں اسلامی توحید کی زوردار لہر پیدا ہوئی تھی۔ اس دوران کشمیر پر بھی اسلامی فلسفے کے اثرات دکھائی دے رہے تھے۔۔ زنگیور رنچن کے اسلام قبول کرنے اور صدرالدین کے نام سے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی اسلامی مبلغوں، دانشوروں اور فلسفہ دانوں کا کشمیر آنا شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ کشمیر کو بھی اسلامی فلسفے کی لہر نے متاثر کرنا شروع کیا۔ شاہ ہمدان رح کے کشمیر میں اسلامی فلسفے کی تبلیغ سے وحدانیت کے تصور کو قبول عام حاصل ہوا۔ بقول محمد یوسف ٹینگ دوسری طرف سے

مسادات نے کشمیر کی روایتی زندگی کو متاثر کرنا شروع کیا۔ اس سے ایک کلچرل شاک کا سا سماں پیدا ہوا۔ یہ مبلغ ایک توانا اور تنومند نہذہبی لہر کے نقیب تھے۔ وہ بہتر طریق۔ بہتر تکنیک اور بہتر حرفت کے سفیر تھے۔ اس صورت حال سے کشمیر کے سادہ لوح لوگ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ اس صورت حال سے اسلام کی چڑھتی لہر بھی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ تو شیخ نورالدین ایک سنبھالا دینے والے SHOCK OBSERVER کی حیثیت سے سامنے آئے۔"

حضرت شیخ نے اس ثقافتی افراتفری میں مارگ درشن (رہنمائی) کرنے کا بیڑا اُٹھایا اُنھوں نے مختلف فلسفی اور سماجی تصورات کو ایک سانچے میں ڈال کر فلکر کی نئی لہر جس میں یگانگت بھائی چارہ۔ بقائے باہم۔ قوت برداشت۔ محبت خلوص اور انسانیت کا راز مضمر تھا۔ اپنا مشن بنایا۔ اس مشن یا انسانی دھاء کو ریشیت کا نام پڑا۔ نندہ ریشیؒ نے پہلے دور کے ریشیوں کی عطاعت اور اُن پر اپنی شردھا کے پھول نچھاور کرتے ہوئے کہا ؎

اوّل ریشی احمد ریشی

دویم حضرت اویس آو

ترِیم ریشی زنکار ریشی

ژوریم حضرت پلاس آو

پانژم ریشی رُمہ ریشی

شیم حضرت میراں آو

سَتی مس کرِہم دِشنا ہشی

ہُہ کُس ریشی مئے کیاہ ناو

پہلا ریشی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ دوسرا حضرت اویس تھے۔ تیسرا ریشی زنکار اور چوتھا حضرت پلاس من تھا۔ پانچواں ریشی رُمہ ریشی اور چھٹا حضرت میراں تھا۔

ساتویں ریشی کے بارے میں انتہائی عاجزی اور انکساری سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں۔
" دیکھیے عجیب واقعہ۔ لوگ کہتے ہیں میں بھی ریشی ہوں۔ کیا آپکو ایسا لگتا ہے۔

علم لدنی :- نندہ ریشیؒ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُس نے درسگاہ کی اہمیت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے "الف" سے آگے پڑھنے سے انکار کیا اور مولوی صاحب سے فرمایا" الف" سے آگے کسی بھی لفظ کا معنی ہی نہیں نکلتا۔ مولوی صاحب نے سلرسنز" کو بُلا کر کہا کہ اس لڑکے کو گھر لے جاؤ۔ یہ عجیب دماغ والا ہے۔ کیونکہ اس نے" الف" سے آگے پڑھنے سے صاف انکار کیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے تعلیم کے حوالے سے خالی ایک لفظ پڑھا۔ پھر یہی شخص ایک ثقافتی انقلاب کا SOURCE یعنی منبع بن جاتا ہے۔ اس روحانی شخصیت کو اپنے ہی شاگردوں یا طالبوں سے "علمدار" کا خطاب بھی اپنی ہی زندگی میں ہی ملتا ہے۔ اس حقیقت کا پس منظر کیا ہے۔

اس کے بارے میں اسلامی تاریخ کا حوالہ یوں ہے۔" حضرت شیخ" باطنی تربیت کی وجہ سے طارم اعلیٰ پر جاگزین و جانشین ہو چکے تھے۔ یہاں قدرتی طور پر جو سوال ابھرتے ہیں۔ وہ یہ کہ باطنی تربیت کیا ہوتی ہے اور اس کا تاریخی پس منظر کیا ہے۔ جواب سمجھانے کیلئے ضروری ہے کہ بطور تمہید یہ بات ذہن نشین کی جائے کہ علم و عرفان کی نوعیت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ہے کسب و کشش اسکو کسبی کہتے ہیں۔ اسکی صورت یہ ہوئی ہے کہ طالب علم دکسی اُستاد کے سامنے زانوی شاگردی تہیہ کرتا ہے۔ بعیت کرتا ہے اور اس سے علم و عمل کے اسباق درجہ بدرجہ لیتا پڑھتا دہراتا ہے اور کافی وقت صرف کر کے خوب محنت و مشقت کرنے کے بعد کچھ علم و عرفان حاصل کرتا ہے اور عالم و عارف کہلاتا ہے۔
دوسری نوعیت لدُنی ہے۔ لدُن کے معنی ہے پاس نزدیک لانا۔ لدنی وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے محض فضل و کرم سے کسی کو اسکی تلاش و طلب کو شش و کشش

کسب کمائی کے بغیر ہی مفت میں عطا کرتا ہے۔ اس سے علم و عرفان لدنی وہ علم و عرفان ہے جو کسی خوش نصیب کو ادھر کی کوشش کسب و جذبہ طلب کے بغیر ہی اُدھر سے عطا ہو۔ یہ باطنی عطیہ ہوتا ہے۔ جو یا تو یکدم دیا جاتا ہے یا باطنی طور آہستہ آہستہ باطنی تربیت کے تحت بغیر ظاہری واسطہ و ذریعہ و وسیلہ کے عطا کیا جاتا ہے۔ نکتہ تو صرف اتنا ہے کہ ظاہری تربیت اسکے حصول کا ذریعہ نہیں۔ قرآنی حوالہ علم لدنی کا واقعہ موسیٰ و عبداً من عبادنا موجود ہے۔ عام طور پر عبد حضرت علیہ السلام کی شخصیت مانی گئی ہے۔ اسکے بارے میں ارشاد ہوا ہے ؎

اتینٰہ من لدنا علماً ؂

ہم نے اُس اپنے بندہ کو علم لدنی عطا کیا ہے ــــ لیکن کوئی خوش نصیب و مقبول ازلی پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے بغیر ہی ظاہراً صحبت و ہم نشینی میں آئے بغیر ہی باطنی تربیت سے فیضیاب ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ نبوت میں اسکی مثال اویس قرنی رضؓ کی ہے۔

۔۔۔۔ اس لئے عقل سلیم کا فتویٰ اسکے بغیر کچھ بھی نہیں ہے کہ تربیت و فیض پانا ظاہری نہیں ہے۔ باطنی ہے۔ براہ راست بلا واسطہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کیونکہ درمیانی واسطہ تاریخ میں کوئی ثابت نہیں اور اس باطنی بلا واسطہ و براہ راست روحانی بیعت تربیت و تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کے لئے حضرت اویس رضؓ اس کے اول الاولین یعنی پہلوں میں پہلے سعید و مسعود ہونے کی وجہ سے اُنکی ہی مناسبت میں اولیت پڑا۔ اس لئے اولیت یا اویس ازم پیر و مرشد سے براہ راست بلا واسطہ باطنی تربیت کو کہتے ہیں اور اسی طرح خدا کے اُن چُنے گئے خوش نصیب بندگان جو ازلی مقبول اور ابدی مسعود ہونے کی وجہ سے باطنی تربیت پلتے رہے

ہیں کے سلسلہ کو ریشیت کے نام منسوب کیا گیا ہے"۔ (ریشیات)۔ کشمیر کی تاریخ روحانیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کا پہلا نمائندہ یہاں حضرت شیخ العالم جناب نورالدین نندہ ریشی کی ذات با برکات ہے جو اپنے مرتبہ و مقام کے رد سے کشمیر اور کشمیریوں کے بلالحاظ مذہب و ملت علمدار بننے اور مرجع خلائق ہے۔ یہی کشمیریوں کے دلوں کے چین بنے۔ اس لئے کیا مسلمان کیا ہندو کیا اوروں کے قبلہ حاجات ہوئے۔ اور مرکز فکر و ذکر مصدر رحمت و روحانیت بنے۔ ہاں کشمیر میں اولیت کا اپنا مقامی نام ریشیت پڑا۔ (اقتباس۔ ریشیت۔ صفحہ ۳۶)

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

سہز انند

"سہز" لفظ شو مارگ کا سب سے بامعنی لفظ ہے۔ اس کا استعمال شو ستروں میں بار بار ہوا ہے۔ "سہز" کا مطلب ہے ریاضت اور تپسیا کا وہ مقام حاصل کرنا۔ جسکو پاکر ریاضت اور بھکتی کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ سادھک ترکال درشٹی بنتا ہے۔ وہ تصوف کی زبان میں بقاء باللہ کے مقام کو حاصل کرتا ہے وہ خود اُس نور کا ایک انگ بنتا ہے جو نور اس ساری کائنات کو گھیرے ہوئے ہے۔ "سہز" کا مقام پاکر سادھک پر ساری خدائی طاقتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ چندرمہ کو اپنے کاسہ سر پر محسوس کرتا ہے اور اُس سے ٹپکنے والے امرت کو رات دن سیون کرتا رہتا ہے۔ اُسکے پاس لامحدود کمالات اکٹھے ہوتے ہیں۔ شو شاستروں میں ایسا منش خود ایشور سروپ بن جاتا ہے۔ لل دید نے اپنے واکھیوں میں کئی بار "سہز" لفظ استعمال کیا ہے۔

مثلاً ؎

"تس پوش تیل دِ پھ زل ناگرِ ھے
سد بھاوِ گوِ رِ کتھ یِیْس منہ بیِیَے
تسمبھو س سوِ رنتی بنز شرِ ھے
سے ڈپِ زے سہزا کریے"

پرستش کیلئے حاجت نہیں دیپک کی یا تیل کی۔ نہ پانی کی، کُشا کے گھاس کی پھول اور پھل کی
جو اپنے مرشد کی ہدایت پر عقیدت سے عمل کرے جو فرد شوق سے ہر دم شمبھو کو یاد کرے
اسی سے ذات حق کی معرفت ملتی ہے بندے کو یہی سچی "سہز" عبادت ہے یہی سچی ریاضت ہے،

لل دیہ پر ف ۱۴۲

کو چھُکھ دِوان اَنِنے بَڑھ
نَنڈگھ لے چھُکھ نۂ اَندری اَڑھ
شِو چھے اَتی تَھے کُن ہو گڑھ
سہز کُنیہ میانہِ کرتو پَڑھ

اننے :- اپنھا - بے فایدہ

اندھے کیطرح ادھر سے اُدھر مت بھاگو۔ اگر سادھک بننا ہے تو اپنے من کی گہرائی
میں ڈوب جاؤ۔ جب تو من کے درون خانے میں داخل ہوگا۔ تو شو کو اپنے سامنے پاؤگے۔
میری یہ سہز بھاونا۔ میرا یہ کتھن جو سہز دِچاروں والا ہے۔ اس پر بھروسہ کرو۔ یہی موکھش کا راستہ
بتانے والا ہے۔

پُرن سولیب پالُن دورلب
سہز گارُن سِکھِم تہ کرُ ڈھ
ابھیاسکہِ گِنہِ رے شاستر موٹھم
زیتن آنند نشچے گوم

۵

نادان لوگ کتابوں کو پڑھ کر
سمجھتے ہیں کہ سب کچھ مل گیا
مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ "سہز"
گیان سمجھنا اتنا آسان نہیں
جب میں نے عمل شروع کر دی تو میں سارا شاستر بھول گئی۔ تب میں سہز گیان کو پراپت کر گئی۔

شوسدھنا کے مطابق سہز گیان حاصل کرنا۔ انسانی ریاضت کا معراج ہے۔ سہز کی سیڑھی پار کر کے سادھک اور شو کا ملاپ ہوتا ہے۔ تب ایشر اور بھگوان میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

کشمیری پنڈتوں کا نندہ ریشی کے تئیں خراج

کشمیری پنڈتوں نے جب علمدار کشمیرؒ کی روحانی بزرگی اور برتری کا انوبھو کیا۔ تو انھوں نے حضرت شیخؒ کو "سہزانند" کا خطاب عطا کیا۔ حالانکہ کشمیری پنڈتوں نے یہ خطاب اپنے کسی اوتار کیلئے نہیں چنا۔ صرف علمدار کشمیرؒ کو یہ بھاؤنا کے پھول نچھاور کر کے اپنی شردھا اور عقیدت کا اظہار کیا اور حضرت شیخؒ کو یہ خطاب اتنا بھایا انھوں نے اسی خطاب سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی پاک اور پوتر نام سے آرادھنا کی۔

حفض رسولس کامت ژاجی
ژے تس سوزنتھ سہز قورانہ

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

ریشی مت کی مختصر تاریخ

ریشی مت کی جڑیں قدیم تواریخ میں بہت گہری دکھائی دیتی ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق ریشی مت ویدک دور کی پیداوار ہے۔ ریشی صاحب بصیرت۔ خود آگاہ۔ عبادت گذار۔ فلسفہ دان۔ فکر ذکر و از کار کو جاننے والا۔ اپنے آشرموں میں گیان۔ دھیان فلسفہ۔ سماجی و روحانی تعلیم دینے والا بزرگ ریشی کہلایا۔ مگر ویدک ریشیوں میں رہبانیت کا پابند رہنا ضروری نہیں تھا۔ ریشیت کے ساتھ ویدوں سے قبل کے تمدنی دوروں کا بھی سلسلہ جا ملتا ہے۔ پھر اس میں ویدوں۔ اُپنیشدوں۔

پورانوں ۔ رامائن ۔ مہابھارت ۔ وشنو مت ۔ اور بُدھ مت کے شامل ہونے کیساتھ قدروں کے بھاری خزانے ملتے ہیں ۔ اگر ہم اسکی مثال شو کے ساتھ جوڑتے ہیں تو یہ ناگوں کا سب سے بڑا روحانی دیوتا تھا ۔ اسیطرح ریشی مت ویدک دور سے پہلے بھی ہزاروں سال پُرانا ہے ۔

قدیم ہندوستان میں ریشیوں نے تاریخ کی دھارا کو موڑنے میں اہم کردار نبھایا ہے ۔ اُنھوں نے خالص گیان ۔ دھیان تپسیا پر ہی خالص زور نہیں دیا ہے ۔ بلکہ جب ہم سانکھ مُنی کا وہ فلسفہ دیکھتے ہیں جسمیں مادہ اور پُرش سے آگے کسی ماورائی وجود کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے ۔ یا چارواک کا وہ فلسفہ بھی ملتا ہے جو جدلیاتی تصور کو پہلی بار ہندوستان میں پیش کر کے صاحب خرد کو دنگ کر کے رکھتا ہے ۔ یہ لوکایت فلسفہ کا بانی کار ریشی ہے ۔ اس کا ذکر چھاندوگیہ اپنیشد میں تفصیل سے ملتا ہے اور اس میں چاروک اپنے فلسفی اظہار میں کہتا ہے ۔ کہ وید ۔ بودھ دھرم ۔ جین دھرم کی کتابیں جو تصورات پیش کرتی ہیں ۔ میں اُنکو نہیں مانتا ۔ بلکہ شعور بنیادی عناصر سے ہی پیدا ہوتا ہے اور مادی عناصر سے شعوری عناصر جنم لیتے ہیں ۔ مگر پتنجلی نے اسکے برعکس الشعور تک پہنچنے کیلئے یوگ درشن کا فلسفہ سمجھایا ۔

پاتنجلی نے یوگ درشن کی تعلیم دی ۔ اُسکو بھی ریشی کہتے تھے ۔ اور چارواک نے لوکایت یعنی دہریت کا گیان دیا ۔ اُسکو بھی ریشی نام پڑا ۔ یہ سب آزاد خیالی کی ایک روشن مثال ہے ۔ جو ہمیں ہندوستان میں ملتی ہے ۔

ہندوستان کا ریشی مت ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ اگر کچھ سماجی قدریں متروک ہو گئی ہیں اُنکو چھوڑ دو ۔ اور نئی قدروں کو اپناؤ ۔ یہی فلسفہ کشمیر کے ریشی فلسفے کی پہلی کڑی ہے یہ فلسفہ مذہبی منافرت اور تنگ نظری کا قلع قمع کرتی ہیں اور لوگوں کو استحصال کرنیوالوں اور

جابروں کے خلاف صف آراء ہونے کا درس دیتا ہے۔ رگ وید کے بارے میں ایک عالم کے راجہ (K. RAJA) یوں رقمطراز ہے:—

AUTHORS OF RIG VEDA WERE THE FOUNDERS OF THE CIVILIZATION OF INDIA. THEY DEVOLOPED, THE CULTURE. THEY GUIDED THE NATION, SINCE THEY SAW .AND REALISED THE TRUTH, WHICH ORDIN-ARY MEN CAN NOT SEE AND UNDERSTAND. THEY UNDERSTOOD SOME ETERNAL FACTORS WITH WORLD (SURVEY OF SANSKRIT :— PAGE 20)

P. N. BAMZAI WRITES :—

THE KASHMIRI PANDITS ARE DEVIDED INTO 133 EXOGAMOUS GOTRAS, EACH MEMBER OF WHICH CLAIMS TO BE A DESCEDENT OF A RESHI, WHO'SE NAME THE GOTRA BEARS —)

کشمیری پنڈت اپنے کو ریشیوں کی اولاد گردانتے ہیں اور اپنے جدّ اعلیٰ جو ایک ریشی ہے اُس کا نام اپنے خاندان کے نسب نامے سے جوڑ دیتے ہیں۔ ان ریشیوں کی تعداد ۱۳۳ ہے جنکو کشمیری پنڈت اپنا جد امجد تصور کرتے ہیں اور اپنے ریشیوں کے نام پر چل ارپن کرتے ہیں۔ نجات کرتے اور اپنی پوجاؤں میں شامل کرتے ہیں۔

کلہن نے راج ترنگنی میں ریشیوں کا ذکر نہیں کیا ہے مگر کئی ایسے بادشاہوں کے نام تحریر کئے ہیں جنہوں نے حیوانوں اور جانوروں کو مارنا انکا شکار کرنا ممنوع قرار دیا تھا۔ اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ ریشی فلسفے کا گہرا اثر راجاؤں پر پڑا تھا۔

بُدھ مت کا رِیشی فلسفے پر اثر

بُدھ مت کے فلسفہ دانوں نے لوگوں میں اپنے مشن کا تبلیغ کرنے کیلئے مختلف پرچارک بنا ڈالے جنکو سنگھ یا شرمن سنگھ کہتے تھے۔ یہ بستیوں میں جاکر بُدھ کے بتائے ہوئے "اشٹانگ مارگ" آٹھ طریقے مکتی حاصل کرنے کی تعلیم دیتے اور لوگوں کو ان آٹھ مارگوں پر چلنے کی ویدی (طریقہ) سمجھاتے تھے۔

بُدھ کے زمانے میں ہی کئی بودھ رشیوں نے اپنے آشرم قایم کئے تھے۔ جہاں یہ سادھکوں کو روحانی تعلیم دیتے تھے۔ بقول دھرمانند کوسمبی شرمن سماج میں روحانی بیداری پیدا کرنے کیلئے خود یہ تکالیف برداشت کرتے تھے یہ لوگوں کو سماجی فلاح وبہبود کے خاطر تیار کرتے تھے۔

بُدھ کے زمانے تک ان شرمن سنگھوں یا فرقوں کی تعداد ساٹھ[۶۰] تھی ان سنگھوں میں ایسے پارسا پرہیزگار لوگوں کی آٹھ جماعتیں تھیں۔ جنہیں پورن کیپ۔ مکھلی گوسال۔ اجت کیس۔ کنبل۔ پکدھ کچاین۔ سنجے بیٹھ پت اور نگنٹھ ناتھ پت۔ مقتدر اور بزرگ عالموں کی آٹھ جماعتیں تھیں۔ عوام میں انکا کافی احترام تھا۔ یہ لوگوں کو نجات کا راستہ اور کڑی ریاضت سمجھاتے تھے۔

ہندوستان سے باہر چین۔ جاپان۔ ایران خراستان۔ افغانستان تاتار۔ منگولیا۔ بلوچستان غرض دُنیا کے اکثر حصے پر بُودھ دھرم کا اثر نفوذ کافی عرصہ تک جاری رہا۔

(۵) مہاتما بدھ نے کپل وستو کی ریاست اور شاہی محل کو چھوڑ کر بُدھ گیا میں جاکر ایک بڑ درخت کے نیچے بیٹھ کر سادھنا میں مگن ہوئے۔ حضرت شیخ نے کیموہ کے گھر کو چھوڑ کر

گوپھبل کے مقام پر غار نشین ہو کر یادِ الٰہی میں لین (محو) ہو گئے۔

(۶) مہاتما بُدھ کو جب گیان حاصل ہوا۔ تو اُس نے اپنے پانچ بھکشوں کو جو ہمیشہ اُسکے ساتھ رہتے تھے۔ مثلاً آگیات۔ کونڈینہ۔ واشپ۔ بھدرک مہانام کو بھگتی کا ماحصل سُنایا۔ اور اُنھیں اپنا ہمخیال بنایا۔ اسیطرح حضرت شیخ کامل کو جب گیان حاصل ہوا۔ تو اُس نے اپنے قریب ترین چار خُلفا بابا بام الدین بابا زین الدین۔ بابا لطیف الدین اور بابا نصر الدین کو اپنا ہمخیال بنایا۔

(۷) مہاتما بُدھ نے اپنے فلسفہ کا پرچار سنسکرت کے بجائے عوامی زبان پالی میں کیا۔ اسیطرح حضرت شیخ کامل نے اپنے فلسفے کا پرچار کشمیری زبان میں کیا۔

(۸) گوتم بُدھ کو جب گیان حاصل ہوا تو اُسنے اپنے فلسفے کی بُنیاد (اشٹانگ مارگ) آٹھ زرین اصولوں پر رکھی ــــ مگر حضرت شیخ کو اسلام کا راستہ ہی سب سے پسندیدہ راستہ دِکھائی دیا۔ اور اُنھوں نے اسلامی تعلیمات کو ہی سب پر ترجیح دی۔ مگر اُن کے کلام میں اشٹانگ مارگ کے اصول واضع بیان ہوئے ہیں۔

کام کرو دلوب مد آھنکار چھے

دوزخن نار چھے دِوان پرایے

کرٖیہ تہٕ کارن دٕ نٕد دار چھے

چندرس دیار چھےٕ مہ کرضایے

مہاتما بُدھ کا اشٹانگ مارگ بھی اِن ہی بنیادی اصولوں کا مرکب ہے۔

راست عقیدہ۔ نیک ارادہ۔ حق گوئی۔ راست بازی۔ رزق حلال۔ صحیح کوشش عمدہ خیالات اور کامل سمادھی۔

(۹) مہاتما بُدھ دو انتہاؤں کے درمیان گزرنے والے راستے کو جائیز مانتے ہیں۔

اور اپنے بھکشوں کو انتہا پسندی کی حدوں کو چھونے سے منع کر رہے ہیں۔ پہلا انتہا ہے عیش و عشرت کی زندگی میں راحت محسوس کرنا۔ یہ نہایت حقیر۔ جاہل اور عمومی اور غیر مہذب راستہ ہے۔
دوسرا انتہا اپنے جسم کو ایذا پہنچانا۔ انتہائی تکلیف دہ۔ بے معنی اور وحشیانہ فعل ہے۔ بدھ کہتے ہیں "غم" انسانی زندگی کی حقیقت ہے۔ پیدائش۔ بیماری۔ بڑھاپا موت۔ عزیزوں کی جدائی۔ خواہش زیست بھی غم کا باعث ہے۔ بیراگ سے اسکا انسداد ہوگا۔ اور ہشت پہلو (اشٹانگ مارگ) راستہ اختیار کرنا غم کا واحد طریقہ ہے۔ ریشی مت بھی ان ہی دو انتہاؤں کے درمیان جانیوالے ہشت پہلو راستہ پر گامزن دکھائی دیتا ہے۔
مہاتما بدھ نے اپنے پیشروں کی عظمت تسلیم کرکے اُن کو شردھا کے پھول نچھاور کیے۔ ان میں پورن۔ کیپ۔ مکھلی گوسال۔ اجت کیس کنبل۔ پکدھ۔ کچاین۔
نند ریشی نے بھی اپنے پیشروں جنکے نام حضرت شیخ احترام سے گرداتے ہیں۔ اُن میں مثلاً پہلا نام حضرت محمد صلعم۔ حضرت اویس۔ زنکا ریشی پلاس ریشی۔ رمہ ریشی اور میراں ریشی شامل ہیں۔ نند ریشی ان ہی بزرگوں کو اپنے فلسفہ اور ریشیت کا سرچشمہ گردانتے ہیں۔

ریشیت کا بنیادی عقیدہ

ریشیت ایک فلسفی انداز فکر ہے جس کا بنیادی عقیدہ اہنسا سے پروان چڑھتا ہے۔ نند ریشی کسی جاندار کو مارنے کیخلاف اور کسی کا دل دکھانا نہیں چاہتے تھے۔

وہ اپنے جبلی عمل یعنی غصّہ کو قابو میں کرنے اور خواہشات مٹانے نیز عمل و عرفان کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں ؎

کرُد دِچھُے سوُد مالہِ دُرِ ایمانس
کرُد نو مسلمانس پسزی

اگر تو مسلمانی کا دعویٰ کرتا ہے تو اپنے غصّہ کو قابو کرو۔ کیونکہ یہ بُری عمل تم سے ایمان چھین سکتا ہے ۔ ۔ ؎

کندیو مارو مین
ہنا زُو شمین
یِم زُ کھنتھ زُوس دس
تمسے دُیہکر یژمین

تم کیوں نہیں سوچتے اپنے شریر کی اُتھان کیلئے تم کسی بے گناہ شریر کو قتل کرتے ہو۔ جان کو جان دینا اپنے کو گناہوں میں پھنسانے کے برابر ہے ۔

یکسانیت

"شیخ کامل نے جو فلسفہ اپنایا اور جس بات کا پرچار اُنھوں نے ساری عمر روبہ عمل لایا وہ تھا یکسانیت اور انسان دوستی۔ یہی فلسفہ کشمیریت کا بُنیادی سنگِ میل گنا جاتا ہے ؎

پانژ پانس پاپ ہنواری
یس ننده سنزُن دوپ ہمیے
دوی وسِتھ چھُے تاره ترُن
الکہ کاران تہ میبہِ کرییِ

اُسی کے گناہ بخش دیئے جائیں گے جو نندہ سنتر کے بتلائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جائے۔ جسمیں بھید بھاؤ کرنے کی تمیز نہ رہے جو انسان اور انسان میں فرق نہ کرے۔

جو نفرت اور دو غلا پن چھوڑ دے
جو سب سے پیار کا رشتہ باندھے
اُسی کی کشتی پار ہو جائے گی
جو معرفت کے راستے پر چل پڑے گا!!

○

دُویت ترآوِتھ پان یُس مندے
سُے زوّن سمسارس کندے زاو
پَرتہ پان یُس ہیوُے وینٛدے
سُے یوہ سبندے ترٛکھ آو

○

جس نے انسانوں میں تمیز کرنے کا وطیرہ چھوڑ دیا
جس نے دوئی کے سارے بندن توڑ دیئے
جس نے اپنا اور پرایا ہونے کا برم مٹایا
جس نے بنی نوع انسان کو محبت سے گلے لگایا
وہی اس سنسار ساگر سے پار ہو سکتا ہے

○

دِہن گاش ڈیو نٛھم وِنہ کھتہ گمہ
بیپر ننگس دیہ سو یہ کاٹھ

دلک دروازہ کھتھ مالہِ وٹہ
سوٗنس کیتھ دمہ کاٗرک واٹھ
خو داے ڈیشونھُم کسَ مالہ کھٹہ
جانس ہسے چھم جان سنگھاٹھ

میں نے دل کے دروازے ہر کسی کے لیے کھول دیے ہیں۔ سونے کو کیسے کانچ سے جوڑ دوں۔ ریحان کو کیسے بچھو بوٹی کہوں۔ میں نے خدا کو دیکھا۔ میری روح اس کے ساتھ ایک ہو گی تھا۔

O

شو فلسفہ بھی یہی درس دیتا ہے ۔ "شِو کیولو ہم" یہ سارا نظام اور کائنات کا ذرہ ذرہ شِو کا ہی سوروپ ہے
یہی آتما اور پرماتما کے ملن کا واحد مارگ ہے ۔
سب ایک ہیں ۔ ان کے تمیز کرنا پاپ ہی نہیں ۔ بلکہ اپنے کو اگیان کے گہرے کنویں میں ڈالنے کے برابر ہے ۔

O

شیو درشن اور ریشیت

اگر اپنے کو کندن بنانا ہے ۔ بھگتی مارگ کا راستہ دیکھنا ہے ۔ تزکیٔ نفس کر کے اپنے کو پانا ہے تو ۔ زنکا ریشی کی مثال سامنے رکھو ۔ جس نے جیتے جی مکتی پائی ۔

تمےٚ ڈنڈک وٗنہِ زنکاریشی
گٔژھ پھلہِ کرن رسٕہ
پوٚختہ بھگت اوس مکت سوے
تھمہ سے ورِ دِتم دِرہ

بِنۍ تِلکتھ تہٕ شمین !
بیون بیون پادکرِی آشپن
یامتھ کھوکھ پۆرِی کنیٚ رو
تامتھ نمن ترن اُکے گو

○

برف - منجمد برف اور منجمد پانی تینوں قدرت نے بنائے ہوتے ہیں - مگر جب چمکتے سورج کی نظر (کرن) ان پر پڑتی ہیں تو سب ایک ہی شکل اختیار کر لیتے ہیں - اِس طرح الگ الگ جاتیاں - بِن بِن فلسفے - الگ الگ تصورات جب عرفان کی بھٹی سے باہر آتے ہیں تو ان کا رنگ اور سوبھاؤ ایک جیسا ہوتا ہے - جب ذات حق کا جلوہ سب محسوس کرتے ہیں - ساری دوریاں اور دوئی کے لکشن مٹ کر ایک ہو جاتے ہیں -

شیو فلاسفی کے "ادویت" یا پرتنیہ بجھنا - جسکو عام طور پر پہچان کرنے کی طاقت کہتے ہیں - حضرت شیخؒ نے اس شلوک میں بیان فرمایا ہے ؎

پانے پُج تے پانے شراکھ
وہ خود ہی قصاب ہے اور خود ہی چھُری بھی
پانے پانس پوان گراکھ
وہ خود ہی خریدار ہے وہ خود ہی دوکاندار
یُسے نتہٕ سُے چھُے یینی
جو یہاں عالم وجود میں ہے وہی لامکان میں موجود ہے
سُے چھُے پڑھٕ شابہ رٹھ مکان

وہی ہر شے میں موجود ہے۔

سُے چھُے پیٛا دٕ سُے چھُے رٔچھی

وہی پیدل چلنے والا ہے وہی رتھ گاڑی ہے۔

سُے چھُے سورُے گُپت گیاٗن

وہی سریت کا راز دار ہے۔

کھیم راج اپنی پرتیہ بھگیا ہردے میں کہتے ہیں :-

"AS THE UNDERLYING REALITY, IN EVERY THING AND BEING IN THE UNIVERSE PARMA SHIVA IS ONE AND THE SAME IN THEM ALL."

جگدیش چندر چیٹر جی۔

یہ شِو سروپ برمانڈ اور اسکی سچائی پرم شِو کے ساتھ مِلی ہوئی ہے اور پرم شِو کا ہی ظہور ہے۔

حضرت شیخ کامل فرماتے ہیں :-

کٔنہ شے بوز کھ کٔنہِ نو روز کھ

اَمی کٔنہِ کوتاہ دِیٛت جلاو

عقل تہٕ فکر تور کوت سوز کھ

کٔمی مالہِ چیتھ ہیوک سُہ دٔریاو

جب عرفان کی جوتی وجود میں روشن ہوتی ہے۔ تو ساری کائنات اُسی میں سما جاتی ہے۔ دنیا کی رنگا رنگ دراصل واحد ذات حق کا نور پھیلا ہوا ہے۔ یہ سریت کے راز عقل اور علم سے حاصل نہیں ہوتے۔ اسکے لئے باطنی گنجینے کے راز کھل جانے چاہیں۔

اِن باتوں سے اندازہ آسانی سے لگایا جاتا ہے کہ شومت اور ریشیت فلسفی لحاظ سے ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں"۔ اگر یہ کہیں کہ عقیدت کے ایک ہی دھاگے میں منسلک ہیں۔ شاید مبالغہ نہ ہوگا"۔ اقتباس ختم شومت اور ریشیت " تزکیہ نفس کے بارے میں حضرت شیخ اور لل دیدؔ کے تصورات ایک جیسے ہیں۔

مثلاً ؎

کھیمہٕ کھیمہٕ کران یڈ نو آیم
ہی زٕوٕ ییتے کھیتہٕ
کاٗلی کھیتوٗمُت گژھی ضایہٕ
ہی زٕوٕ پایس پییتہٕ

اگر صرف کھاتے رہو گے اس سے پیٹ نہیں بھرتا۔ میری جان بس اتنا ہی کھالے۔ وقت آنے پر سارا کھایا پیا ضایع ہو جاوے گا۔

اور لل دیدؔ فرماتی ہے ؎

کھیٚنہٕ کھینہٕ کران کُنہٕ نو وانکھ
نہٕ کھیٚنہٕ گژھی کھ اہنکاری
سوٚمے کھینہٕ ماله سوٚمے آسکھ
ادینے مُژرنہٕ برنین تاری

لل دیدؔ نے بہت اہم سماجی نقطہ کو شیرین زبان میں بیان کر کے سماجیات کے دفتر کھولے ہیں۔ یعنی حد سے زیادہ طمع۔ مال اکھٹے کرنے کا لالچ۔ دھوکہ دہی۔ غرور کرنا۔ یہ سب ذہنی کمزوریاں ہیں۔ اِن پر قابو پالو۔ تو تم سے ایک بہتر سماج تعمیر ہوگا۔ یہ دُنیا بہت سرسبز دیکھنے لگے گی۔

کشمیر کا شیو درشن بھی ایسے سماج کی تعمیر چاہتا ہے جبکہ انسان اپنے نفسیاتی اُلجھنوں پر قابو پائے گا۔ مال بٹورنے کا حرص۔ کام کرودھ۔ لوبھ۔ موہ۔ مد اور اہنکار جو انسان کی فطری کمزوریاں ہیں، ان پر قابو حاصل کرے۔

واسوگپت کی "سپندکارِکا"۔ بھٹ کلٹ کی "پرتیہ بھجنا"۔ اتپل دیو کی "ایشور پرتیہ بھجنا"۔ "ابھنوگپت کی تنترالوک" یہ ساری فلسفہ کی کتابیں صرف ایک بات پر زور دیتی ہیں کہ پرتیہ بھجنا۔ یعنی اپنے وجود کی پہچان کرو۔ دُنیا میں آنے کا مقصد پہچان لو۔ جیون مُکت ہونے کی کوشش کرو۔ اِن ہی فلسفی باتوں کی گہرائی کو لل دید نے سمجھا اور انکو آسان کشمیری بھاشا میں سمجھا کر یہاں کی سماجی زندگی میں انقلاب پیدا کیا۔ چودھویں صدی کے شروع میں یعنی ۱۳۲۰ میں زولچو نامی ایک خونخوار منگول نے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں یہاں کی بیشتر آبادی کو تہہ تیغ کیا گیا مکانات اور اناج کے بھنڈار سب جلا ڈالے گئے۔ یہ قیامت کا قہر آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ اسکے دور رس اور شدید اثرات پیدا ہوئے۔ اس اندھیر نگری میں پتہ نہیں چل سکا۔ کہ جو رشی غار نشین تھے اُن کا کیا حال ہوا۔ شیومت کا علمی خزانہ بھی اس یلغار سے متاثر ہوا۔ ۱۳۷۷ میں حضرت شیخ پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے رشی مت کے ابتداء میں اُن رشیوں کو خراج پیش کیا۔ جو نندہ رشی سے پہلے ہوا کرتے تھے۔ اُن کی عزت افزائی کی اور بڑے احترام سے اُن کا نام لیا۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت شیخ سے پہلے بھی کشمیر کی وادی میں جابجا رشی ہوا کرتے تھے۔ اس کا حوالہ ہمیں کشمیر کی قدیم نیم تاریخی کتاب نیل مت پوران میں ویستار سے ملتا ہے۔

اس کا ایک شلوک اس پرکار ہے۔

प्रथिव्यां यानि तीर्थानि
तानि तत्र नराधिप
ऋष्याश्रम सुलं वाध
शीतातप सुखं शनम्

دُنیا میں جتنے بھی مقدس تیرتھ ہیں۔ وہ وہاں کشمیر میں ہیں۔ یہ جگہ ریشیوں کی جھونپڑیوں سے بھری پڑی ہیں۔ گرمی اور سردی میں خوشگوار رہنے والی یہ جگہ با برکت رہی ہے۔ کشمیر کے ریشیوں میں ۱۳۳ ریشی ایسے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اپنے خاندانوں کی بنیاد ڈالی اور کشمیری پنڈت اپنے کو ان ہی ریشیوں کی اولاد مانتے ہیں۔

ریشیت کے عملی پہلو

جہاں تک ویدک ریشیوں کا تعلق ہے۔ وہ اپنی ریاضت فکر و ازکار اور تنہائی پسند تھے۔ مگر تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اِن ریشیوں نے بے شمار آشرم قایم کئے تھے۔ جہاں یہ لڑکوں کو ویدک تعلیم۔ کرم کانڈ۔ برہمچریہ کی اہمیت ۔ شرمکِ زندگی یعنی محنت کی زندگی گذارنے کی عملی ٹریننگ دیتے تھے۔ اسکے ساتھ ہی وہ اپنے شیشوں کو فنِ سپاہ گری۔ فنون جنگ۔ تیراندازی۔ گھوڑ دوڑ۔ امور سلطنت کی عملی تعلیم بھی دیتے تھے۔ جسکی مثال ہمیں رام چندر جی اور کرشن جی کے آشرم کی زندگی سے ملتی ہے۔ اسی طرح کشپ ریشی نے ستی سر میں ایک آبی افریت جلودبھو کو مارنے کیلئے ایک عملی منصوبہ کو ترتیب دیا۔ جس سے راکھشش مرگیا۔ اور جھیل کا پانی آہستہ آہستہ خشک ہو کر زمین نکل آئی ہے۔

اِن ریشیوں کی شاہی دربار میں بڑی عزت ہوا کرتی تھی۔ اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کئی راجاؤں کے صلاحکار اور شیر بھی ریشی ہوا کرتے تھے۔

"نندہ ریشی رح نے عرفان کے دیپ جلا کر ریشیت کو عوام کے بہت نزدیک پہنچایا۔ اُنھوں نے ایک نئی تہذیب اور تمدن کی نیو رکھی جس میں کشادہ دلی (فراخدلی) اور حسن سلوک کو اولیت حاصل تھی۔"

اگر ہم یہ کہیں کہ علمدار کشمیر رح کشمیر کی جدید تہذیب کے موجد تھے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ وہ حقیقت پسند تھے۔ وہ انسان کے ازلی عناصر کی پہچان رکھتے تھے۔ وہ اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان سکندر نے جب انکا جلال دیکھا تو حیرت زدہ ہو گئے۔

حضرت شیخ کے عرفان کا یہ امرت لل دید کے دودھ کے ساتھ پی لیا۔ اس لئے اُس نے بھائی کو بھائی سے ملن کا راستہ پیدا کیا جکو بعد میں زین العابدین بڈشاہ نے حقیقت کا جامہ پہنایا۔

ریشیت کا عملی پہلو:-

لل دید نے انسانیت۔ اخوت۔ بقائے باہم کے اصول میں آئی دراڑ کو سنبھال لیا۔ اور علمدار کشمیر رح نے شو فلاسفی اور اسلامی توحید کے تیز دھاروں کو آپس میں ٹکرانے سے بچا لیا۔

لل دید نے کہا ہے

شِو چھُے تھلہ تھلہ روزان
موزان ہیوند تہ مُسلمان
ترُک اے چھُکھ تہ پان پرزنان
سوے چھے زِیس سینہ زانی زان

اے بے خبر آدمی تو کیا ہندو اور مسلمان کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرتا ہے تمہیں اپنے آپکی خبر نہیں تو سماج کو کیا بانٹے گا۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا اگر تو سچ کو جاننے والا ہے تو اپنے

آپکی پہچان کر۔ یہی ایشور سے ملنے کا راستہ ہے اور حضرت شیخ نے فرمایا ہے

اَکس مُا لِس تہِ ماجہِ ہٕنٛدِن

تِمن دِیے ترآدِتھ تہٕ کیاہے

مسلمانن کیا وہہندِن

کرِبندن توشہ خودائے

ریشی مت چھہ ہزار سال کا ارتقائی سفر طے کرنے کے بعد لل دید کے گیان۔ پرکاش اور ویمرش کا مرکز بن گئی۔ اور علمدار کشمیرؒ نے اس فلسفہ حیات کو زندگی کے قریب تر لایا حضرت شیخ نے حافظ شیرازی کے مطابق

عراق و پارس گرفتی۔ بہ شعر خود حافظ

بیا کہ نوبت شیراز و وقت تبریزاست

"اے حافظ تو نے عراق اور پارس کو پہلے ہی اپنی شاعری کے رموز میں پھانس لیا۔ اٹھو اب بغداد اور تبریز کو فتح کرنے کی باری ہے"۔ حضرت شیخ نے تو عوام کے دلوں کو پہلے ہی مسخر کر کے رکھ دیا تھا۔ اب اس نے شہنشاہوں کے تاج کو بھی اپنے سامنے پایا۔ تو حضرت شیخؒ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالنے کے بدلے احتراماً انکو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا۔ اور کشمیر کے عظیم شہنشاہ زین العابدین نے کشمیریت کے فلسفہ کو سیاسی استحکام عطا کر کے حضرت شیخ کے تئیں اپنی عقیدتمندی کا اظہار کیا۔

نمہِ تکہ بوٗ نیچہِ کجی

اَکجی رِہو کوٗ زٕ ن

سیتھ جانا وارِن ژٕجی

سیتھے مے ور دِیو

گجی ماتا کی کہانی ہندو دور سے تعلق رکھتی ہے۔ گجی ان پڑھ تھی ۔ لکہ بھون (للارکی پورہ) کے گاؤں والوں کیلئے پانی لانے کا کام کرتی تھی۔ پارسا اور پرہیزگار تھی۔ ایک دن زبردست برف بھاری ہو رہی تھی۔ گجی ماتا جنگل سے پانی لا رہی تھی کہ ایک پیڑ کے نیچے خونخوار اور بھوکے شیر کو دیکھا۔ شیر نے جب شکار کو آتے دیکھا۔ فوراً گجی کی طرف لپک پڑا ۔ گجی نے برتن نیچے رکھا۔ ہاتھ جوڑ کر شیر سے کہا "اے جنگل کے راجہ آپ بھوکے ہیں ۔ کیونکہ زبردست برف بھاری ہو رہی ہے ۔ کھانا کہاں سے ملے گا۔ مگر میں یہ پانی کا گھڑا ایک گھر میں لے جا رہی ہوں ۔ کیونکہ اُس گھر میں صرف دو، ماں بیٹی ہے ۔ دونوں بخار سے تڑپ رہی ہیں۔ گھر میں پانی کا قطرہ نہیں۔ میں یہ گھڑا وہاں چھوڑ کر بھاگتے پاؤں سے واپس آؤں گی ۔ شیر جیسے سب کچھ سمجھ گیا۔ گجی ماتا کو چھوڑ دیا۔ ماتا لوٹتے قدموں سے شیر کے پاس واپس پہنچی ۔ سر جھکا کر شیر سے کہا ۔ ہے جنگل کے راجہ اپنی بھوک مٹاؤ ۔ میں واپس آئی ہوں ۔ اسی وقت شیر ایک نورانی بزرگ کی شکل میں آیا اور گجی ماتا سے کہنے لگا ۔ بیٹی میں تمہارا بلیدان دیکھ کر خوش ہوا ۔ تمہاری تپسیا سپھل ہو گئی ۔ مانگو کیا مانگنا ہے ۔ ماتا نے کہا ہے دیا وان پربھو ۔ مجھے کچھ نہیں چاہیئے ۔ صرف اس گاؤں کے لوگوں کو پانی دیں۔ کیونکہ یہ پانی کے لئے تڑپ رہے ہیں ۔ تتھا استو ۔ ایسا ہی ہوگا بیٹی ۔ کہتے ہیں ۔ لکہ بھون کے گاؤں والوں کو پانی مل گیا اور ماتا پھرشتوں کے دوش پر اُڑ گئی ۔

شو چھے زاویُل زال واہراوِتھ
تی پچھے مُرن تر تھ کتھ
زِندنے وُچھکھ اد کو زِ مرِ سَتھ
یانہ منتریاں کڈ و شراتھ کتھ

یہ سارا جگت شو کی لیلا ہے۔ تمہارے اوپر مایا کا جال پھیلا ہوا ہے۔ اس سے آزاد ہو کر شِو تتو کو سمجھ لو۔ یہ تب ممکن ہے جب تم اپنے آپ کی پہچان کر پاؤ گے۔ جس نے یہاں شِو کو نہیں دیکھا۔ وہ مرنے کے بعد کیا امید رکھتا ہے۔

گیان یس ووت رَن تس تجی
سُہ کرِ ہرس ژیتہٕ پاو
مدلیس موٗر نہ خۄدی ژجی
بہٕ نہ کینہہ نہٕ میٚے کیاہ ناو
سُہ ییٚمی ڈیوٗنٹھ دے تس ژجی
ادُس کرِ گوند تہٕ گراو

جس کو گیان پراپتی ہوئی۔ وہی شِو کو اپنے چِت سے پوجے گا۔ یعنی اُسی کو وجود کی گہرائی میں شِو کا درشن ملے گا۔ جس نے اہنکار کو چھوڑ دیا اور نیکی کا دامن تھاما۔ جس نے اپنے ہونے کا برم بھُلا دیا۔ جس نے اُسکے درشن کئے اُسکے سامنے دوئی کا کوئی کام نہیں۔ وہ تمام عیبوں اور نقصوں سے پاک ہوا۔

ییٚمی اُسی ٹکی ڈُنی یہس سوٗزی
تس اُسی توٗلقہٕ پرٛژھی لگو
کھسِن دِتنُ تو رگ تہٕ تاٗزی
تمن کھشتھ گاٗز کرو
تس پتہٕ مسرو سوٗرے سوزی
یس اُسی نم تہٕ مازلگو

جس ایشور نے ہمیں دُنیا میں بھیجا ہم کچھ دِنوں کی مہمان نوازی پر یہاں آئے۔

اُس نے ہمیں تیز رفتار گھوڑا اور سائیس بھی دیا ہے۔ اس گھوڑے پر چڑھ کر سیر کریں گے۔ زندگی کا لُطف حاصل کریں گے۔ اگر ہم اُس کی رحمت پر فِدا ہو جائیں وہ ہمیں سب کچھ دے گا۔

یہ کٔینہٕ ونے تہٕ کیاہ بوزکھ

بوزکھ چھہِ وُنہ نیٚت ررہِستی

یوٚر پیٚلہِ گرٛھکھ تورِنیے بوزکھ

ییٚتہِ نے بوزکھ بوزکھ تمستی

یہ شلوک حضرت شیخ کی تعلیمات کا پُر اثر اور معنی خیز نوشتہ ہے اس شلوک سے ہمیں حضرت شیخؒ کی فلسفی فکری اور تصوراتی دُنیا کا پُورا پتہ چلتا ہے۔ مجھے تمہیں ایک پیغام دینا تھا۔ مگر تم اُسکو ابھی سُننے کیلئے تیار نہیں ہو کیونکہ تمہاری آنکھوں پر غفلت کی نیند چڑھی۔ اب جب یہاں سے جاؤ گے تو وہاں پہنچکر تم کو خود بخود میرے کتھن کی سچائی معلوم ہو جائے گی۔ اگر تو یہاں پیغام حق سُننے کیلئے تیار نہیں تو جاؤ وہاں جا کر ہی سنو۔

دئیت گن گہٕ برس تورٕ

تتہٕ شوٕ ٹیل وکھنہٕ کوٕ

سُہ سارٕی راتس پرٛوٚرو

تتھ سے وردِتم دِ ہٕ

میں نے وجود کے باہری خول کو پھیلا کر اندر کے لالہ زاروں کا لطف اُٹھایا۔ میں نے وہاں شوِ کو دیکھا۔ کیا کہوں میں اس کیفیت کو۔ مجھ سے اور میری زبان سے اُس آنند کا ورنن ہو نہیں سکتا۔ وہ ساری رات میرے پاس تھا اور میں اُس کی پیلا

ہیں مگن ومدہوش ہوا تھا۔ ہے دیو مجھے اس اوستھا (حالت) میں ہمیشہ رکھو تاکہ میں اس آنند کا سکھ اُٹھا سکوں۔

۴۔
ٹوٹھکھ سِپدوٲنس اُپ بُودس
تمی دٕوہ دیس اوھبر کوٚ
ٹوٹھیوکھ سپر شری کنٹھس سِبدس
تمٔنتھ مینہ وَر دِتو دِوٕ

اے کارساز تم سوؔدرشن نامی مہا پرش پر مہربان ہوگئے اور اس کو عرفان کا مارگ سمجھایا۔ تم سیدی (کمالات حاصل کرنیوالے) سری کنٹھ پر مہربان ہوئے اور اُسکو مجموعہ کمالات (سِید) بنا دیا۔ ہے ایشور مجھ پر بھی ایسی ہی مہربانی کرو۔

۵۔
اٖندریس تھیر وٲتڑے رُس
تس دوزخہ تلہٕ کاسِکھ نفرے
ییمی ڈنڈ کُنڈ پچھی تیندر رِتہٕ مہٕس
سُے بند ژادسہز ہیٖس ھٕرے

جس نے اپنے اندریوں پر قابو پالیا۔ اور سمادھی میں لین ہو کر آتم گیان حاصل کر گیا جس نے اپنے سکھ کے سادھنو (ڈنڈ کُنڈ) اور نیند پر قابو پالیا۔ اسی نے شِومارگ یا سہز کا راستہ پالیا۔

مأرم نہٕ کھکی یچھن نہٕ دجی
نتہٕ یوبہٕ نیر ہم یچھی ناو
سہزچ کتھ کرٕم نہٕ اکجی
یا خدایا ب نواب

میں نے نہ کوئی پرندہ اور نہ کسی جانور کو مارا۔ اگر ایسا کرتا تو مجھے لوگ قصائی کہتے۔ اب مجھے سہز کا دچار کرنا تھا۔ یعنی عرفان اور نور کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا۔ مجھے آتمہ گیان میں لے ہونا تھا۔ مگر مجھ سے وہ نہ ہو سکا۔ میرا چِت ایکاگر (سمادھی لگنا) نہ ہو سکا۔ ایسا نہ کرنے کا پاپ مجھ پر چڑھا ہے خدا مجھے پاپ سے مکتی دلاو۔

دِزِ کرِشے کرٕ مِنٛہ سنزی

دٕ لوسنزے گرٕ ھم سہو

ڈُنی ونیتھ نٔنٛدٕ سنزی

تیتھ منے وَرٕ دتم دِ و

مجھے یوگ ابھیاس کی جو کریا کرنی تھی، جو عرفان مجھے حاصل کرنا تھا یہ سوچ کر کہ مجھے آتمہ بودھ کا پراکاش دکھائی دیگا ہمیش اسی لئے میں مست ہوتا۔ مگر ہائے رے میرا وچِتر من اس کو نہ پا سکا۔ اب نندہ ریشی عاجزی کرتا ہے۔ ہے دیالو مجھے اپنی چھتر چھایا میں پناہ دے دو۔ تاکہ مجھے عرفان کا مارگ دکھائی دے۔

ڈُنیہس کم گوٚن وینٛدِتھ

ژٔنے ونہٕ کوٚ موٚہ ٹھُے پوٚوو

مسلمان کیا ہینٛدٕ یت

دو کھو کنٛدٕ تھ گرٕ گرٕ شو

میں اس مایا روپی سنسار کی بھول بھلیوں میں ایسا پھنس گیا کہ مجھے اپنے چڑھنے کا زینہ ہی بھول گیا۔ اے میرے مسلمان اے ہندو حبتا۔ یہ چار دن کی چاندنی ہے۔ ہم یہاں کچھ دیر کیلئے کھیلنے کو آئے ہیں۔ اپنی بازی کھیل کر ہم کو واپس اپنے گھر جانا ہے۔

بُڑہ ببہ سنخ تہٕ شرم ترُوُوم
سارٕ واٴنش چھوُوُم اکہِ آن تہٕ
سہزٕ زل چھوُوُم تیر بیبر نوُوُم
بہتھ سائل کوُرُم اکہ آن تہٕ

میں نے سمسار کا ڈر، کسی کی آشا رکھنا، شرم محسوس کرنا۔ یہ سب چیزیں میں نے تیاگ کرلیں۔ چھوڑ دی۔ میں نے سہز امرت کا مزہ چکھا۔ سارا وجود اسی میں ڈبو دیا۔ اور بیٹھے بیٹھے ہی میں نے لامکان کی سیر کرلی۔

٥ــــــ٥ــــــ٥

یہ چند نورانی سبق آموز اور اعلیٰ فکری و ذہنی اظہارات وارشادات حضرت شیخ کی اس لئے قلم بند کرنا پڑی، تاکہ ہمیں حضرت شیخ کے عرفان کے اونچے معیار اور تصوف کی فکری نہج کا پتہ چل سکے۔ ان شلوکوں کو مدِ نظر رکھ کر ہم بآسانی فیصلہ کرسکتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ کے پاس خانہ بند انسانیت کی کوئی گنجایش نہیں۔ انھیں ہندو مسلمان اونچی ذات اور نچلے طبقوں سے کوئی دوری نہیں ہے حضرت شیخ کامل کی زندگی ہمارے لئے فیض وبرکت وعرفان کا سرچشمہ ہیں۔

سکہ روشن شد زِ شاہ نورالدینؒ

پٹھان گورنر عطا محمد خان جو اٹھارھویں صدی عیسوی میں گورنرین کے افغانستان سے کشمیر آیا، یہاں آکر وہ حضرت شیخ کے عقید تمندوں میں شامل ہوا۔ اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کرنے کیلئے اُسنے علمدار کشمیرؒ کے نام سے ایک سونے کا سکہ روشن کیا۔ یہ دُنیا کا سب سے پہلا سکہ ہے جو کسی روحانی بزرگ کے نام پر شایع ہوا۔ اس سے پہلے راجاؤں

اور شہنشاہوں کے نام پر تو سکے رایج ہوئے ہیں۔ مگر روحانی دنیا کی یہ انہونی مثال پہلی بار سامنے آئی ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ کامل کے نام پر ایک سونے کی مہر بھی بنی ہے۔ مگر یہ آجکل ملتی نہیں۔ مگر سونے کا سکہ آج بھی سرینگر میوزیم میں محفوظ ہے۔ صوفی غلام محمد لکھتے ہیں کہ میں نے لاہور کے عجائب گھر میں نندہ ریشی کے نام پر سکہ دیکھا جس کا وزن ۲۲۴ گرام وزن کا ہے۔ سرینگر کے عجائب گھر میں سکے کی عبارت حسب ذیل ہے

سکہ شد روشن ز شاہ نورالدین
رایج از مخدوم قطب العارفین۔

اس سے حضرت علمدار کی شخصیت چمکتے سورج کیطرح روشن ہوئی کشمیریت کا ستارہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی ضو فشانی کرتا رہا۔ کشمیریت کسی مذہب یا فرقے یا ذات کی ترجمانی نہیں کرتا۔ بلکہ کشمیریت مل جھل کر رہنے کا ایک تصور ہے۔ یہ ہزاروں سال پہلے بھی قایم تھا۔ لل دید نے اس پودے کی آبیاری کی اور حضرت شیخ کامل نے اس کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچایا۔ رینچن شاہ کے زمانے سے شہاب الدین تک کشمیر کے اقلیتی فرقے نے قیامت کا مقابلہ کیا۔ ایک اندھیر نگری چاروں طرف پھیلی تھی۔ ہر کسی کو موت کا خوف اور حکمران اور اسکے حواریوں کی تلوار گردن پر محسوس ہوتی تھی۔ اگر اس وقت سماج کی منجدھار میں ڈوبی کشتی کو لل دید اور حضرت شیخ کامل جیسو نہیں سنبھالتے تو بستیاں ریگستانوں میں تبدیل ہونے کا خطرہ تھا۔ تخلیقی۔ تعمیری۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ سیاسی اور روحانی سطح پر اسکے خطرناک اثرات پیوست ہوتے۔ پھر کشمیر میں کوئی چیز دکھانے اور فخر کرنے کے لایق نہیں رہتی۔

حضرت شیخ کامل کو اخلاقی۔ ادبی۔ روحانی اور تعمیری سطح پر

لل دیدؔ کے مقابلے میں کافی وقت ملا جبکہ انھوں نے بھائی چارہ کی قندیل کو ایک منظم شکل دیکر اس علمی اخلاقی۔ ادبی اور روحانی تفکر کے تصورات کو ریشیت کا نام دیکر کشمیر کے کونے کونے تک اسکو متعارف کیا۔

حضرت شیخ کامِل کے دانشمند خلیفے بابا بام الدّین۔ بابا نصر الدّین۔ شیخ زین الدین۔ بابا لطیف الدّین ریشی۔ قیام الدّین ریشی۔ لچھم ریشی۔ قطب الدین ریشی۔ روپہ ریشی۔ ہردے ریشی۔ دریا ریشی۔ دیا ریشی۔ زوگی ریشی وغیرہ صاحب عرفان وسماجی علم رکھنے والے عابدوں نے ریشی فلسفہ، برادری، بقائے باہم اور انسان دوستی کے پیغام کو گاؤں گاؤں اور گھر گھر میں پہنچا دیا۔ ستو سال کی تباہی۔ سیاسی اندھیر گردی، غنڈہ گردی اور غریب عوام کے استحصال نے کروٹ بدلی۔ محبت، پرکاش، اُمید اور استحکام نے نئے اُفق تلاشنے شروع کئے۔

"تنگ نظری، تعصب، منافرت اور دشمنی کے فصیل ٹوٹ کر چکنا چور ہوئے۔ ایک نئے سورج کا طلوع ہوا جس نے عوام کا فطری تشخص یعنی محبّت پیار اور پریم لاشعور کے تہہ خانوں میں پیدا ہونے کے آثار دکھائے۔

کشمیر کی دھرتی جو اسوقت تک خاک و خون سے تبتر بتر تھی پہلی بار سکھ اور اطمینان کا سانس لینے لگی۔ حضرت شیخ کامِل پہلے ریشی ہیں جنھوں نے اپنے روحانی تفکر اور تخلیقی کنواس میں ایسے رنگ بھرے ہیں، جن کا مطالعہ ہمیں اُنکے جیون مکت آتما ہونے کا اور اُنکے زندگی کا مقصد پانے کا امشاف اشارہ ملتا ہے اُنکا کہنا ہے کہ میں نے زندگی میں آکر اپنا مقام حاصل کیا۔ ۔

لا اِلٰہ الا اللہ صبح کورُم

وحی کورُم پننے پان

وجود ترأوتھ موجود سورُم

اَدِ یہہ ووڈُتس لامکان

یعنی میں نے لامکان کی سیڑھی کو پار کر لیا ہے۔ کیونکہ میں نے ڈیڑھ وجود کو شونیہ میں زم کر دیا۔ اپنا وجود مٹا کر میں نے لامکان کے دربار میں ڈھیرہ جمالیا۔

کلچرل انقلاب و مخالفین

نندہ ریشی نے جس ثقافتی انقلاب کی نیو ڈالی۔ اُس سے صاحب اقتدار سکتے کے عالم میں پھنس گئے۔ مساوات۔ پرہیز گاری اور آپسی میل جول کا یہ ایسا قدم تھا جو شیخ کاملؒ سے پہلے کسی نے عمل میں نہیں لایا تھا۔ نقلی اور ظاہر پرستوں کو اپنا سنگھاسن ہلتے محسوس ہوا۔ شاہ پرستوں کو استحصال کے دروازے بند ہوتے محسوس ہوئے۔ سماجی لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کو سرکاری خزانہ کے مُنہ بند ہوتے محسوس ہوئے۔ مندروں کے مُجاوروں کو لل دید نے پاوں کی زمین کھسکائی اُفق پر جدید طرز کے سورج نے آشا کی کرنیں پرتھوی پر ڈالنی شروع کیں۔ یہ صورت حال طبقہ امراء استحصالی عناصر پسماندگی میں عوام کو پھنسانے والے چور اچکے لوگوں۔ شاہ پرستوں لچھے دار لیکچر کرنے والوں کیلئے قیامت سے کم نہیں تھا۔

اس لئے اس تابناک مشعل کو بجھانے کیلئے سارے ابن الوقت لوگ ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے اور اُنھوں نے سماج میں شوشہ پھیلایا کہ نندہ ریشی ملحدانہ باتیں کرتے ہیں جو اسلامی قوانین کے خلاف ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی شوشہ ڈالا کہ حضرت اسلام سے باہر کسی اور طرح کی زندگی گذارنے کا درس دیتے ہیں۔ مثلاً وہ اہنسا کی باتیں کرتے ہیں۔ جنگلوں میں رہ رہے ہیں۔ گھر بار چھوڑ کر غارنشین کی زندگی پسند کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ۷۰۰ (سات سو) اہل سادات حضرت شیخ سے مجادلہ کرنے رد پوونی چلے گئے۔ جب یہ لوگ یہاں پہنچے تو شیخ کاملؒ یاد الٰہی میں مشغول تھے۔

مہمانوں پر نظر پڑی تو ایک دم کھڑے ہوئے۔ عاجزی اور انکساری سے مہمانوں کا استقبال کیا۔ بیٹھنے کے لئے گپھا کے سامنے چھوٹا سا پتھر تھا۔ حضرت شیخ نے پتھر سے کہا "یہ پہاڑی علاقہ ہے بیٹھنے کو جگہ نہیں۔ اب تم میری لاج رکھو۔ مہمانوں کے بیٹھنے کی جگہ بنادو" کہتے ہیں پتھر اتنی لمبی ہوئی جس پر سات سَو سادات بیٹھ گئے۔ پھر ایک چھوٹی سی ہانڈی سے چاول نکالکر مہمانوں کی خاطر داری کی۔ سب سادات حیرت سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ آخر کھا پی کر جب چلنے لگے تو حضرت نے عاجزی سے کہا کہ آپ ذی عزت مہمان اس غریب کی کُٹیا میں کیسے تشریف لائے تھے۔ تو مہمانوں نے مُتاثر ہو کر کہا۔ حضور ہم آپ سے کچھ استفسار کرنے آئے تھے۔" تو بسم اللہ کیجئے۔ کیا پوچھنا چاہتے ہیں" سادات نے کہا ہے پرہیزگار ریشی ہم نے جو کچھ آپ سے پوچھنا تھا۔ ہمیں اُس کا جواب مِل گیا۔ اب ہمیں آپ سے کچھ نہیں پوچھنا ہے۔

حضرت شیخ نے مہمانوں سے کہا میں صرف ایک عرض آپ سے کروں گا اور وہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے الفقر فخری والفقر منی " اگر فقر دیکھنا ہے تو میری طرف دیکھو" میں بھی حضورؐ کے اسی فرمان کی تابعداری کر رہا ہوں۔ اور مزید فرمایا ہے۔ اس پر حضرت شیخ فرماتے ہیں ؎

فقرُ چھُے دوزخس وُرن ٹھوٗرُ
فقرُ چھُے اگ تہ پلگ ژُورُ
فقرُ چھُے مُشک تے بییِہ خوشبوے

فقرُ ریشیت آدمی کو دوزخ سے بچاتی ہے۔ فقیری پردہ داری اور خوشبو کا ساگر ہے۔

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ
خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُ
ولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْن

"ایثار کرنیوالے اوروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور ترجیح دیتے ہیں اگر خود فاقہ میں ہی ہوں اور جو نفسیاتی خودغرضیوں۔ حرص اور بخل سے بچایا گیا۔ وہی تو فلاح پانے والے ہیں۔

کشمیری عوام اور ریشیت

کشمیری عوام نے ریشی مت کو اپنایا۔ اسکو گاؤں گاؤں اور گھر گھر میں پہنچایا ریشی مت نے صاحب دل پرہیز گار و خدمت خلق اللہ کرنیوالوں کی صفوں میں گہرا اثر چھوڑا حضرت شیخ کامل کے نقل کرنے کے بعد بھی یہ سلسلہ بدرجہ اوتم قایم رہا۔ بلکہ اسکی رفتار میں زیادہ شدت پیدا ہوئی۔ کیونکہ نندہ ریشی کے ساتھ جو ریشیوں کا ہراول دستہ تھا۔ وہ حضرت پیر مولا کی عطاعت کرنا اور اُن کا حکم ماننا سعادتمندی مانتے تھے اور وہ اُنکے بعد یہ خلفا اس مشن کی کامیابی میں دن رات جڑھے رہے۔

"اقتباس ریشیاں صفحہ ۲۲۵"

"حضرت شیخ العالم کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض کنج نشینی کے قایل نہ تھے۔ بلکہ وہ عملی زندگی میں لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ آپ اپنے تبلیغی مشن میں کشمیر کے تقریباً ہر قریہ اور دیہہ میں پہنچے اس دوران آپ نہ صرف لوگوں کو پاکبازی کی ہدایت کرتے، بلکہ حکمرانوں اور حاکموں کو بھی لوگوں پر ظلم و جبر روا رکھنے پر ٹوکتے اور اس بارے میں کسی بھی

مصلحت کے شکار نہ ہوتے تھے۔ بابا نصیب الدین غازیؒ اس بارے میں رقمطراز ہیں۔ شیخ العالمؒ نے ایک گاؤں کے کسانوں پر ظلم کا وجہ سے وہاں کے حاکم کی سخت سرزنش کی ہے۔

اکثر ریشیوں نے بادشاہوں کی شدت پسندی کے خلاف صف آراء ہوئے تھے۔ کیونکہ بقول جون راج سلطان سکندر نے شیخ العالمؒ کو اس بات پر جیل بھیجوا دیا کہ وہ دین مبین کیطرف لوگوں کو مایل کرنے کیلئے محبت اور شفقت کا برتاو چاہتے تھے۔ نہ کہ جبر و کراہ کا اور وہ اس سلسلے میں سلطان کے خلاف تھے۔

ریشی مذہب کی اجارہ داری کے خلاف بھی برسرپیکار تھے۔ چنانچہ شیخ العالم کو اپنے وقت کے ملاؤں نے جن کڑی آزمائشوں میں ڈالا تھا۔ ان سے نکلنا غیر معمولی روحانی اور اخلاقی قوت کے بغیر قطعاً ممکن نہ تھا۔ حضرت شیخ کو جہاں جسمانی اور ذہنی ازیتیں پہنچائی گیئں۔ وہاں اُنکے زہد و تقویٰ کا امتحان لینے کے لئے اپنے وقت کی سب سے حسین دوشیزہ "(یاون مژہ) کو بھیجا گیا تھا لیکن شیخ پاک کی نظر کیمیا سے اُس لڑکی کی تقدیر ہی پلٹ گئی اور وہ ایک عارفہ بن گئی۔

حضرت شیخ العالم نے انتہائی ظلمات کی گھڑی میں قوم کی رہنمائی فرمائی اُس نے ہندو اور مسلمان دونوں کو گلے لگایا۔ بے راہ روی اور افراتفری سے سماج کو نکالنے کے لئے دن رات محنت۔ تبلیغ نصیحت کرتے رہے۔ نقلی مذہب داروں اور ظاہر پرستوں۔ شاہ نوازوں اور استحصال کرنیوالوں کے ساتھ ساری عمر لڑتے رہے۔ کشمیر کے گاؤں گاؤں میں ریشیوں نے تبلیغ

کے ساتھ ساتھ انسان دوستی ۔ بھائی چارہ۔ بقائے باہم مساوات اور میل ملاپ کا درس دیتے رہے ۔

" الغرض یہ ریشی مہر عالمتاب تھے ۔ جس کی ضیا پا شیوں سے اندھیرے منور ہوگئے۔ اُن کے دم قدم سے ایسی جگہوں پر اُجالا ہوا ۔ جہاں ظلمتوں نے اپنا ڈھیرہ ڈالا تھا ۔ ظاہر ہے کہ ریشیوں کی عوامی مقبولیت کے پیشنظر کوئی بھی سلطان اُنھیں آسانی سے نظر انداز نہیں کرسکتا تھا ۔ خاصکر ریشیت ۔ ریشیت کا مسلک لوگوں کی اصلاح حال کے ساتھ سلاطین کے لئے بھی مشعل راہ ثابت ہو رہا تھا ۔ اسی لئے نہ صرف سلاطین کشمیر میں عظیم سلطان زین العابدین کو اُن سے عقیدت تھی اُن کے بعد بھی کشمیری اور غیر کشمیری حکمران اُن کی عزت کرتے رہے تھے ۔ اقتباس ریشیت صفحہ نمبر ۲۳۶

اس سلسلے میں سلطان زین العابدین جیسے حکمران حضرت شیخ کی تجہیز وتکفین میں خود شامل ہوئے تھے ۔ بلکہ اُس نے حضرت شیخ کے مقبرہ کی تعمیر انتہائی شان سے کرائی ۔

یہاں کے لوگوں میں اعتماد اور بھروسہ پیدا کرنے کیلئے اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کیلئے حکمرانوں نے ریشیوں کے ساتھ اپنی عقیدت کا ہر عہد میں اظہار کیا ہے :۔

لل دید کے متعلق تاریخ کا فیصلہ

لل دیدؔ نے کشمیری سماج کو صدیوں کی دھند سے باہر نکالا۔ فلسفہ دانوں نے اس سر چشمہ حیات سے تجسس اور تحقیق کی پیاس بجھائی۔ یہ عظیم عارفہ گوشہ نشینی میں چھپی نہ رہ سکی۔ اگرچہ اسکے ہم عصر تاریخ دانوں نے اسکی طرف نظر التفات نہ ڈالی۔ مگر وہ سورج کی تمازت کو زیر آب بھی محسوس کرتے گئے۔ اس کا ثبوت ہمیں بابا داود مشکواتی کے شہرہ آفاق تخلیقی جوہر "اسرار الابرار" میں صاف دکھائی دیا۔ ہم لل دید کے عصری حالات کا جب جایزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی کہ آخر وہ کون سے اسباب تھے، جنکی پاداش میں اسکو تاریخ دانوں نے اپنی کتابوں کے پچھلے صفحے پر بھی جگہ دینی مناسب نہیں سمجھی۔ پہلا وجہ عارفہ کی زبان دانی کا ہے۔ اس نے دیو بھاشا یعنی سنسکرت کے بجائے کشمیری زبان کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ (۲) اسنے شاہی سرپرستی کو لات ماری (۳) عورتوں پر ہو رہے ظلم و جبر پر زور دار آواز پیدا کی۔ (۴) اسنے ہندو مسلم ایکتا کے نغمے گائے۔ (۵) آتمہ گیان کو حاصل کرنے کا آسان طریقہ مادری زبان میں سمجھایا۔ (۶) استحصال کرنے والوں کو للکارا۔ (۷) نقلی درویشوں اور رسوماتی عقیدہ رکھنے والوں پر طعنہ کسا۔ (۸) شونیہ واد فلسفہ کو سراہا۔ جو یہ ساری باتیں قلمکاروں تاریخ نویسوں۔ امراء و روساء کو اپنے خلاف اعلان جنگ جیسا محسوس ہوا۔ اس لئے انھوں نے اسکی طرف غصیلی نظروں سے دیکھا۔

لل دید اور نند ریشی کا زمانہ

تاریخ کشمیر میں ذہنی بیداری سیاسی اُلٹ پھیر ی زندگی کی مقصدیت متحرک سماجی نظام اور تخلیقی عظمت کا دور مانا جاتا ہے۔ پُرانی قدریں نئے سانچوں میں ڈھلنے لگیں۔ کشمیر کا شیو مت، بُدھ دھرم اور اسلامی توحید تقابلی مقابلے میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے کشمیری زبان کو اس کا جائز مقام حاصل ہوا۔ عام لوگ اس فلسفہ اور سماجیات کو گہری نظر سے پرکھنے اور سمجھنے لگے۔ روایت پسندی کا دور ختم ہو کر حقیقت پسندی نے اپنایا۔ اس دور انقلاب کا ثمر کشمیریت اور ریشی تحریک کے روپ میں سامنے آیا۔ عوام نے اس فلسفی لہر کو پلکوں میں جگہ دیکر ہزاروں سال کی پرمپرا کو حقیقت کا روپ دیکر چھوٹے سے کونپل کو ایک تناور درخت میں تبدیل کر دیا کشمیری کلچر نے پُرانی قدروں کی سنگ بنیاد پر جدید کشمیر کی عمارت تعمیر کی۔ عام سماجی فلاسفروں کا کہنا ہے کہ اگر کشمیر نے لل دید اور علمدار کشمیرؒ کی انقلابی سوچ اپنا کر نئے سماج کی خستہ دیوار کو سر نو تعمیر نہ کیا ہوتا تو بڈشاہ جیسے انسان دوست اور اُونچے آدرشوں والے بادشاہ کو جنم نہیں دیا جا سکتا تھا۔

لل دید کے بارے میں کشمیر کے عظیم محقق اور شاعر عبدالاحد آزاد رقمطراز ہے کہ لل دید کا کلام دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا۔ کہ یہ اس نئی کتاب کا پہلا صفحہ ہے۔ اس کے برعکس لگتا ہے کہ یہ اس کتاب کا آخری صفحہ ہے حقیقت جو بھی ہے مگر لل دید نے اپنے وقت کی

فکری اور روحانی تجربوں کو ایک نئی سمت عطا کی ۔ وہ اپنے وقت کے
طالع آزماؤں کی طاقت سے نہ ڈری اور نہ ہی کم ہمت ہوئی ۔ آج جبکہ
سیاست ۔ سماجیات اور معاشیات کا ڈھانچہ بدل گیا ہے ۔ مگر لل دید
آج بھی کشمیر کے اُفق پر پرکاش مان سوریہ کی طرح چمک رہی اور ضوفشانی
کر رہی ہے ۔ اس کا کلام آج بھی سائینسی سوچ اور عالمی نظریہ رکھنے والوں
کے دل لبھاتا ہے اور ذہن کی گہرائیوں میں ڈوبنے کا درس دیتا ہے ۔

اَندرِی آیس ژندرم گاران
گاران آیس ہِیوِن ہوڈی

میں اندر کی سریت میں چندرمہ کی ٹھنڈک محسوس کر رہی ہوں ۔ میں
سم بھاو یعنی رواداری اور یکسان چاہتی ہوں ۔ لل دید نے ایک پرانی پرمپرا
اور نئے میزانوں کی مماثلت سے ایک خوشنما دنیا کی تعمیر کی ۔ جس دُنیا
کی فہم و فراست اور دانشمندی کو علمدار کشمیرؒ نے ریشیت کا خوبصورت لباس
پہنا کر دعوت نظارہ دیا ۔ اور ہر ایک کو متاثر کیا ۔

لل دید کا فکری اور تخلیقی کنواس اتنا پھیلا اور کشادہ ہے
جس کے سامنے ہمالیہ بھی بونا لگتا ہے ۔ اس نے اپنے عرفان کا حوالہ اس
واکھ میں پیش کیا ہے ۔ جس سے لگتا ہے کہ اس کے تخیل کی پیشقدمی
نے اونچے میناروں کو زمین بوس کر دیا ہے ۔ ۵

ژھیتھ نوو ے ژندرم نوو ے
زل میٔ ڈیوٹھم نوو ے نوو

یِنہ پیٹھ للہ مٔتے تن من نووے
تِنہ لل بہٕ نوٗوُم ہِوے چھس

ایسا تخلیقی بے باکانہ اظہار وہی کر سکتا ہے جس نے سماج۔ معاشرے
تمدن اخلاقیات اور عرفان ذات کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہو۔
اس اظہار سے ہم اس بُلند پایہ شخصیت کی فکری بلندی کو اچھی طرح
سے اندازہ کر سکتے ہیں۔

کشمیری زبان اور کشمیریت

ریشی مت کو کشمیر کے طول و عرض میں پہنچانے کا سہرا کشمیری زبان کو جاتا ہے
کشمیریت تلوار یا جبر کے تحت عام نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ یہ اپنی جنم سدھ ماں
کشمیری کی گود میں پلی بڑی۔ جوان ہوئی اور مہینوں کا سفر دنوں میں
طے کر کے کشمیر کے کونے کونے کو سیراب کرتی ہوئی کشمیریوں کے دلوں میں
سما گئی۔

اگر تاریخ کے اوراق کا غائر مطالعہ کریں تو صاف عیاں ہے کہ کشمیریت
کی سنگ بنیاد ہزاروں سال پہلے ناگ قوم اور آریوں کے درمیان ہوئے
اُس عہد نامہ کے اثر سے تکمیل کو پہنچا ہے۔ ایک سادہ سماجی تصور
نے اُسی دن جنم لیا جب چندر دیو اور راجہ نیل نے آپسی برادری
اور میل و ملاپ کا قومی ایجنڈا منظور کیا جس کے تحت آریوں کا کارواں
سردی کے موسم میں میدانی علاقوں میں جانے کے بجائے کشمیر میں سارا سال رہنے لگے۔

کشمیریت یہاں کے عوام کی شرافت ، پُرامن زندگی گذارنے ۔ آپسی بھائی چارہ قایم کرنے کی ایک حسین مثال ہے ۔ ریشیت نے اسی عوامی رجحان اور جنم سدھ آچاریہ کی رہنمائی کی ۔ جس سے کشمیر جنگ وجدل کا میدان بننے سے بچ گیا ۔

ریشیت کو سیاسی اور اونچے گھرانوں کی حویلیوں میں زیادہ اہمیت حاصل نہ ہوئی ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کشمیری زبان کو اُلٹا دیہاتیوں اور پسماندہ لوگوں کی لن ترانی کہہ کر اسکو نظر انداز کیا گیا ۔ یہی وجہ ہے کہ لل دید جیسی شعلہ بیان شاعرہ اور حضرت علمدار کشمیرؒ کو ان ایوانوں میں داد تحسین نہ ملی ۔ یہاں تک لل دید کو اُنکے ہمعصر تاریخ دانوں نے بالکل (بلیک اوٹ) BLACK OUT کر دیا ۔ زین العابدین بڈشاہ وہ پہلا حکمران ہے جس نے ریشی تعلیمات کو سمجھ کر کشمیر کے سیاسی ڈھانچے کو یکسر تبدیل کر دیا ۔ جب عطا اللہ خان نے حضرت شیخ کے نام پر سونے کا سکہ رایج کیا تو پہلی بار سیاسی حلقوں نے ایک انقلابی تبدیلی کو محسوس کیا ۔ یہاں تک کلہن پنڈت نے بھی کشمیری زبان کی اہمیت محسوس کر کے ایک کشمیری جملہ " رنگس ہۆل ڈین " راج ترنگنی میں تحریر کر کے اپنی شردھا کے پھول کشمیری زبان پر نچھاور کئے ۔ یا غنی کشمیری کا "موی کرالہ پن" ایک تلمیح کے طور پر اُبھر آیا ہے ۔ شیخ العالم نے کشمیری زبان کو اوڑھنا بچھونا بنا کر اپنے ہی گاؤں کیموہ کو نگام کو روحانی مرکز بنایا ۔ اب یہاں وادی بھر کے لوگ جوق در جوق

آنے لگے۔ حضرت علمدارؒ کی رُوحانی عظمت اور ریشیت کے فکری پہلوؤں کی نقاب کشائی کی ہے۔ جہاں تک حضرت علمدارؒ اور اُنکے خلفاء کا تعلق ہے۔ یہ ہمیشہ شاہی سرپرستی سے دُور رہے۔ اُنھوں نے کبھی سیاسی شعبدہ بازی سے کام نہیں لیا۔ اسکی دو مثالیں ثبوت کے طور پر پیش ہو سکتی ہیں نمبر ایک۔ جب بادشاہ حضرت زین الدین ولی کے دربار میں حاضری دینے کو آیا۔ تو ولی نے اس کو شرف ملاقات سے نہیں نوازا۔ شہنشاہ ولی کے رویہ سے برہم ہوا۔ اور اسکو کشمیر سے جلاوطن ہونے کا حکم سنایا۔ چنانچہ کئی سال تک زین الدین تبت میں رہے۔ آخر ایک دن بادشاہ بیمار پڑا تو اس کو خواب میں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ چنانچہ اُس نے فوراً حضرت ولی کو تبت سے واپس کشمیر آنے کی درخواست کی۔

اسی طرح جب سلطان سکندر حضرت علمدارؒ پر غصہ ہوا۔ کیونکہ ریشی مت کے بدخواہوں نے کہا کہ یہ کوئی جادوگر ہے۔ جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تو سلطان نے علمدار کو قید کرنے کا حکم صادر کیا۔ مگر جب شیخ کامل سکندر کے سامنے پیش ہوا تو سکندر اسکے جلال کو دیکھ کر تھرا اُٹھا اور اسکو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔

اسطرح کیموہ گاگاوں جہاں شندہ ریشی غار میں ذکر اذکار میں محو رہتے تھے۔ نئی فلسفی لہر کا مرکز بن گیا۔ لوگ جوق در جوق یہاں آنے لگے۔ افراتفری اور اندھیر نگری کے بعد ایک ایسی جاذب نظر۔ پرسوز۔ روحانی کرامات کی ضرورت تھی۔ جو انسانی قدروں اور تہذیبی نقوش کی۔

سلامتی کی ضامن بن سکے۔ یہی کشف وکرامات والی تحریک ریشی مت کے نام سے حضرت علمدار کشمیرؒ کے ذریعے عوام تک پہنچی۔

کشمیر کا فلسفی ایکادش

کشمیر کی روایت ہے کہ یہاں کی مٹی میں صرف وہ تحریکیں جڑ پا سکتی ہیں۔ جنکی بنیاد روحانیت پر کھڑی ہوں۔ اس کی مثال ہمیں کشپ ریشی کے سادھی گرہست ہونے سے ملتی ہے۔ جب اُس نے بھگوان شنکر کی استوتی کرکے شکتی پراپت کی اور جلود بھو راکھیش کو مار ڈالا۔ اُسی سمئے سے ریشی مت کی بنیاد پڑی۔ یہ آج سے لاکھوں برس پہلے کی بات ہے۔ تب سے آج تک اس باطنی زندگی۔ بُلند آدرش اور اونچے اخلاقی اصولوں کی یہاں آبیاری ہوئی ہے۔ یہ روحانی زندگی یہاں کی مٹی میں سموئی ہوئی ہے۔ اور اسکی خوشبو صدیوں سے طرفات کو معطر کر رہی ہے۔ ریشی مت کا نظریاتی مواد (جو حضرت علمدار کشمیرؒ نے شروع کیا) جو کشمیر کی ریشی تحریک میں ہمیں ملتا ہے۔ دراصل یہ تصوف۔ شیو فلسفہ۔ بدھ مت کے تصورات کی آویزش اور آمیزش سے طلوع ہوا ہے۔

ریشیت کا ارتقائی سفر

ریشیت ہزاروں برس کا ارتقائی سفر طے کرنے کے بعد تیرھویں صدی کے جدید دور میں داخل ہوئی یہ صدی ایک PERIOD -
TRANSITORY - کی روپ لیکھا لے کر سماجی روحانی اور فکری زمزہوں کو اُجاگر کرنے میں لگ گئی۔ بدھ مت - شیومت - ناگ مت - اسلامیات اور تصوف کی امرت دھارا کا ایک سنگم پیدا ہوا۔ لل دید نے انسانی دوستی کی قندیل روشن کی اور علمدارِ کشمیر نے اظہار کا ایسا دلفریب منظر نامہ پیش کیا جسکو سنکر عوام الناس تو کیا شہنشاہوں کے تاج بھی سرنگون ہوئے۔

علمدارِ کشمیر نے اپنی شاعری ایسے تصورات پیش کئے جن کا تعلق سیدھے زمینی حقایق کے ساتھ تھا۔ یہ شلوک محض دل بہلائی نہیں تھی بلکہ یہ ایک ذہنی۔ روحانی - فکری اور تجرباتی عمل تھا۔ جو اُسوقت کے عوام کیلئے جو خون خرابے۔ زبوں حالی - افراتفری اور اندھیر نگری کے ستائے ہوئے تھے۔ تریاق کا کام کر گئے۔

اُنھوں نے اسلامی فلسفہ۔ اسلامی تعلیم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے حوالے سے ایسا سماج بنانے کی کوشش کی جسمیں خوف وہراس دہشت گردی اور بے گناہوں کا خون بہانے کی کوئی گنجایش نہ تھی۔ اس لئے وہ کہتے۔ "نیز پھٹر کرکھ تہٕ ژرأتی گرٕ بہکھ"۔ میں تیروں کو توڑ کر درانتی بنانا چاہتا ہوں۔ جو فصل کاٹنے کے کام آتا ہے

کشمیری پنڈت اور ریشیت

ویدک دور میں باطنی علم ۔ آتم گیان اور پرکاش کے متلاشی نیکوکار عالموں کا ایک طبقہ اُبھر آیا۔ جن کو ریشی نام پڑا ۔ یہ فکر و ذکر اذکار۔ علم طب ۔ جیوتش ویدھیا جاننے کے علاوہ عالم و فاضل لوگ تھے ۔ اُنھوں نے وید لکھے ۔ اُپنیشدوں کو تحریر کیا ۔ پرانوں کی ویاکھیا کی ۔ ان ہی نیکوکار تپسوی ریشیوں کی ایک جماعت کشمیر کی خوبصورتی تنہائی اور سہاونے موسم کو دیکھ کر یہاں رچ بس گئی

کشمیری پنڈت اپنے کو ان ہی ریشیوں کی اولاد گردانتے ہیں اور صبح اُٹھ کر ان بزرگوں کے نام پر ترپن دیتے ہیں ۔ ہر ایک کشمیری پنڈت کو اپنے پوروج (ابتدائی) ریشیوں کے نام یاد ہیں ۔ جس قبیلے کا جو ریشی خاندان کا پہلا آدمی تھا ۔ اُس کے نام سے "گوتر" کا لفظ جوڑ دیا گیا ۔ اس طرح کشمیری پنڈتوں کے ۱۳۳ گوتر ہیں ۔ یعنی قبیلے ۔ جن میں یہ گوتر یعنی ریشی بہت ہی مشہور ہیں ۔ یہی ریشی کشمیر میں آبادکار مانے جاتے ہیں ۔

مثلاً بھاردواج ۔ یاگیہ ولک ۔ کپل ۔ وارشنگا ۔ واسکھ کوشکی ۔ بھگو ۔ وارشاین ۔ گوتم ۔ گارگی ۔ اگست ۔ سوامن ۔ مودگلے نند ۔ گوتم وغیرہ

ان ریشیوں کے نام اپنے قبیلوں کے ساتھ پشت در پشت چلتے رہے ۔ ان ریشیوں نے علم نجوم ۔ سانکھ شاستر (MATERIALISM)

فلسفہ طب۔ جغرافیہ اور ناٹیہ شاستر پر کتابیں تحریر کی ہیں ۔۔

ان ریشیوں کی روحانی ۔ ادبی اور تخلیقی صلاحیتوں
کو دیکھ کر "شیخ العالم" کے دِل میں اِن عظیم ہستیوں
کی عزت اور احترام موجزن تھا ۔ اُنھوں نے
اپنے شلوکوں میں "اُس وقت کے ریشی" کہہ کر اس
حقیقت کو نمایاں کر دیا ۔

کشمیر کی اس تہذیبی گنگا کو شیخ کامل کے ذریعہ جو بڑھاوا ملا۔ اُسکی
وجہ سے ان کو کشمیر میں بہت عزت افزائی ہوئی۔ جس کی مثال عالمی
سطح پر نہیں ملتی ۔

تہذیب کے ابتدائی نقوش

ناگوں اور آریہ لوگوں میں اکٹھے رہنے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے بقائے باہم برادری اور ایک دوسرے کے عقیدوں کی قدر کرنے کا پہلا سبق ہزاروں سال پہلے سرزمین وجود میں آیا۔ یہ کشمیریت کی موہوم سی تصویر ہے۔ نیل مت پوران میں ہمیں کئی ایسے شلوک ملتے ہیں۔ جہاں اجتماعی تیوہاروں کی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک دوسرے کے مذہبی عقاید کا احترام۔ یکھش قوم (جو آریہ اور ناگوں کے مشترکہ دشمن تھے) انکے دیوتا کمب کی پوجا کرنے اور یکھش قوم سے مہربانی اور ہمدردی سے پیش آنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کشمیر کا پرتاپ شالی راجہ للتادیت مکتاپیڈ جس نے ۷۲۰ عیسوی میں کشمیر کی سرحدوں کو کوہِ قاف کی بلندیوں سے صحرائے گوبی اور منگولیا تک پھیلایا۔ اس نے اپنے راج میں شامل باہر کے عوام کو ہدایت کی تھی کہ اگر کشمیر کی طرف چلنے لگے۔ تو اپنے ہاتھ پیچھے کی طرف یعنی کمر پر رکھ لو اور اپنا سر تعظیماً آگے کی طرف جھکاؤ۔ ایم اے سٹاین کے مطابق اب ان لوگوں کو اپنے ہاتھ پیچھے کی طرف رکھنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ اس بہادر سورما نے جنوب مغرب کے ملکوں میں منادی کر دی۔ کہ کشمیر کی سرداری اگر تسلیم کرنی ہے تو اپنی دھوتیوں کو اس طرح کمر سے باندھو، کہ اس کا ایک سرا ہوا میں لٹکتا رہے۔ یعنی یہ ناگ مت کی نشانی تھی۔ جو مکتاپیڈ کا اپنے خاندان یعنی ناگ مت کے تیئں اعتقاد کا اظہار تھا۔

مگر جب یہی ناگ مت کا پرتاپ شالی راجہ کشمیر واپس پہنچا۔ تو اُس نے مارتنڈ کا سوریہ مندر بنا کر ناگ مت اور آریہ مت کو آپس میں ضم کر دیا۔ یہ کشمیریت کے تصور کی ایک قدیم مثال ہے۔

کشمیریت کا ایک سُنہری حوالہ

مہابھارت کے حوالے سے کشمیر کے عظیم سنت واگہ بٹ کا وہ کارنامہ اہمیت کا حامل ہے جبکہ ہستناپور کے فاتح جرار پانڈوں نے اشومید یگیہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو بھگوان کرشن جی نے پانڈوں کو مشورہ دیا کہ اس عظیم الشان یگیہ کی جس میں کاشی، متھرا اور بندرابن سے ہزاروں براہمنوں کو شرکت کے دعوت نامے ملے تھے کی اگوائی کشمیر میں رہنے والے ایک کسان واگہ بٹ کریں گے۔ تو سارے عالم اور جیوتشی دھنگ رہ گئے۔ یہاں تک کہ پانڈو بھی اس فیصلے سے محو حیرت ہوئے کہ ایک کسان کیا اتنا عظیم ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اشومید یگیہ کی اگوائی کرے۔ مگر کرشن جی کے سامنے کسی کو بولنے کی ہمت نہ پڑی۔ آخر اس کام کے لئے پانڈوں میں سب سے طاقتور آدمی بھیم سین کو وجیشور (بجبہاڑہ) روانہ کیا گیا۔ جہاں واگہ بٹ بجبہاڑہ کے قریب واگہ ہامہ میں رہتا تھا۔ بھیم سین جب بجبہاڑہ

پہنچا تو اس کالے کلوٹے کسان کو دیکھ کر سکتے میں آیا۔ مگر حکم کی تعمیل کرنی تھی۔ اُس نے کسان سا تھ سے آنے کا مقصد بتایا۔ مگر واگہ بٹ نے ہستنا پور یہ کہہ کر جانے سے انکار کیا۔ "کیا تم مجھے اُس شہر میں جانے کے لئے کہتے ہو۔ جو تم لوگوں نے انسانوں کے خون سے لال بنایا ہے۔ جہاں ذرّے ذرّے سے ہنسا اور دہشت ٹپکتی ہے میں کشمیر میں رہنے والا ہوں۔ یہاں کی دھرتی نے کبھی خون کی ایک بوند گرتے نہیں دیکھی۔ یہاں تلواریں نہیں چلتی۔ تیر و کمان نہیں کھڑکتے۔ یہاں کے باشندے اچھے اعمال والے ہیں۔ جو ہمیشہ آتما کی شدھی کے لئے سادھنا کرتے ہیں۔ کیا تم مجھے انسانوں کے لہو میں رنگا پانی پینے کو کہتے ہو۔ مجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ آخر بھیم سین کی عاجزی اور انکساری کی وجہ سے واگہ بٹ ہستنا پور جانے کیلئے رضامند ہو گیا۔ مگر ایک شرط رکھی وہ یہ کہ

بھیم سین کو گھڑا کھود کر کھانا بنانا ہوگا۔ کیونکہ "مجھے اوپری زمین سے خون کی بُو آتی ہے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ ہستنا پور پہنچکر سارے برہمن کالے کلوٹے کسان کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ مگر چمتکار ہوا۔ واگہ بٹ نے دیواروں پر پانی کی چھینٹیں ماری۔ اور چاروں دیواروں سے وید منتر پڑھنے کی آوازوں کی گونج پیدا ہوئی۔

—o—

کشمیری تصوف کی دین

ریشی فلسفہ کی ایک ذیلی شاخ تصوف تصور کی جاتی ہے۔ حالانکہ تصوف کا فلسفہ سنٹرل ایشیا سے کشمیر میں آیا۔ مگر فکری طور پر کشمیر کے ریشی فلسفہ اور تصوف میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں انسان دوستی، بلا لحاظ رنگ ونسل آپسی پیار، خدا پرستی، نیک اعمال، درونِ بینی، آتم گیان، خدمتِ خلق، وجدان اور پہچان (آتم بودھ) پر یقین رکھتے ہیں۔

دونوں فلسفوں کا ماننا ہے کہ کام، کرودھ، لوبھ، موہ، مد اور اہنکار انسان کے سبَ سے بڑے دشمن ہیں۔ اِن پر قابو پانا ہی مُکتی کا مارگ سِدھ کرتا ہے۔ جس طرح سنٹرل ایشیا کے اُن ملکوں میں جہاں تصوف پھیلا، بڑے بڑے سخن ور پیدا ہوئے جنہوں نے اس نئے اُبھرتے رُجحان کی تشریح کی ہے۔ اسی طرح

کشمیر نے بھی قد آور سخن وروں کو جنم دیا ہے۔ جنھوں نے روحانی زندگی کے اُونچے آدرش اور مقامات حاصل کر کے ادب، فلسفہ اور روحانی دنیا میں اپنا سکّہ قائم کیا۔ اِن عرفان کے پوشیدہ سِروں کی نقاب کشائی کرنے والوں میں پہلا نام خواجہ حبیب اللہ نوشہری کا آتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے باطن کے گلیاروں کی سیر کر کے عرفان کے پوشیدہ اسرار کی نقاب کشائی کر کے یاترا کے گہرے اور فکر انگیز پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ جہاں تک گیان کے برجستہ اور صحت مند تصورات کا تعلق ہے اُس میں مومن صاحب، سوچھہِ کرال، پرمانند، کرشنہ جوراز دان، شاہ غفور، کرم بلند خان، رحمان ڈار، رحم صاب سوپور، نعمہ صاٗب، شاہ قلندر، شمش فقیر، وہاب کھد، محمد میر، احد زرگر اور حال ہی میں دریافت ہوئی عارفہ بھاگیہ وال دید نے روح کی باریک گتھیوں کو سلجھایا ہے۔

یہ سارے صوفی شعراء و فلسفہ دان کشمیر کے مشترکہ تہذیب و تمدن، انسان دوستی، خدا پرستی بلا لحاظ مذہب و مِلت ہر کسی کے ساتھ خلوص اور محبت کے رشتے قائم کر چکے ہیں۔

لل دید کے انقلابی دور کے بعد کشمیر میں صوفی شاعری کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اِن سارے شعراء پر وحدت الوجود نظریے کا اثر غالب نظر آتا ہے۔ جب یہ نظریہ فکر کی بلندیوں کو چھو

جاتا ہے تو زمینی حدود کی رسہ کشی ختم ہو کر صوفی کی نظر عالمی سطح پر پڑتی ہے تو ابراہیم بن ادہم، فیصل ابن عیاض، حضرت رابعہ بصری، عطار، محروف الکرخی، ابو سلیمان الداراتی، حضرت شیخ ذولنون مصری، جامی، حضرت سلطان بایزید بسطامی، حضرت ابوالقاسم الجنید بغدادی، حضرت داتا گنج بخش، حضرت محی الدین چشتی اور حسین بن منصور کی گرویدہ ہو جاتی ہے۔

تصوف کے اِرتقائی منازل طے کرنے کے ساتھ ساتھ یونانی فلسفہ دانوں جیسے افلاطون اور ارسطو کے کتابوں کا ترجمہ ہوا، اس سے اسلامی فکروفن کے ساتھ ساتھ یونانی، زرتشتی، عیسائی تصوف، شیو فلسفہ کا ادویت واد، ویدانت اور بودھ فلسفہ کے اثرات بھی تصوف کے ساگر میں پنپتے رہے جس سے تصوف کا فکری گراف مختلف رنگوں سے بھر گیا۔

مسلمان صوفیوں نے ویدانت اور شیو فلسفہ کی بھی اپنی شاعری میں خوب ترجمانی کی ہے۔ تقریباً ہر کسی صوفی شاعر نے شاستروں کا حوالہ دے کر تصورات کے چمن کو مختلف گلوں سے سجایا۔ خواجہ حبیب اللہ نوشہری نے ''دِوے'' کا لفظ استعمال کر کے ہندو پرمپرا کے یاترا کی اہمیت کو اُجاگر کیا۔ شاہ غفور نے ''زان ملھہ ناو بھگوانس ستہ'' نظم کہہ کر تصوف کی منزلوں کی نشاندہی کی ہے اور صمد میر نے پہلی بار شکتی پوجا کر کے کہا ''پوزا یہ

لاگے پمپوش پھٹتی تارا دتی بوز'' اور احد رزگر نے اپنی شاعری میں شاستروں کے دفتر وا کیئے ہیں۔

''وول احد زرگر شاستر مارے۔ شامہ ژھایے پھیریم نا۔'' یعنی احد زرگر شاستر ودھیا میں اتنا کھو گیا ہے کہ اُسے دوسرے کسی فلسفہ کا خیال بھی نہیں آ رہا ہے۔

''بے اندر بنبر چھُس محرم راز۔ کس دِمہ سجِہ تے کس پر بنماز'' یہ ہمہ اوست نظریے کی سب سے عمدہ مثال ہے۔ میں روحانی سمسار کی سریت کو پہچان گیا ہوں۔

میں کس کو سجدہ کروں اور کس کے پیچھے نماز پڑھوں۔

کاٗ فرن ٹیوک کور جاین تارن
زرمہ شوقہ ورنہ آو کرمہ راز دان
رام کیوِل ہو پرتھوی اشارن
واٗقف کارن تمہ چی زان

سادھنا کرنے والے نے تین جگہ تلک لگایا۔ یہ سادھک کے اچھے اعمال ہیں کہ وہ عبادت کے اس بحرِ بے کراں میں ڈُبکی لگاتا ہے۔

مجھے رام کا تصوّر ریاضت سے حاصل ہوا۔ اب یہی لیلا میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔

منشی پریم چند کے مضمون کا یہ حوالہ اہم ہے کہ:

''ہندوستان میں ہندو اور مسلمان ایک ہزار سال سے رہ رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ دو قومیں ایک دوسرے کو سمجھ نہیں سکیں۔ ہندو کے لیے مسلمان ایک رہسیہ ہے اور مسلمان کے لیے ہندو ایک معمہ ہے۔ نہ ہندو کو اتنی فرصت ہے کہ اسلام کے نکات کی چھان بین کرے اور نہ مسلمان کے پاس اتنا وقت ہے کہ ہندو مذہب کے سمندر میں غوطہ لگائے۔ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں بے بنیاد باتوں کا تصور کر کے سر پھوڑنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ ہندو سمجھتا ہے کہ دنیا بھر کی بُرائیاں مسلمانوں میں بھری پڑی ہیں۔ نہ ان میں رحم ہے نہ بھائی چارہ، نہ صبر۔ مسلمان سمجھتا ہے کہ ہندو پتھروں کو پوجنے والا، گردن میں دھاگہ لٹکانے والا، ماتھا رنگنے والا اور دال بھات کھانے والا جانور ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے سایے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان دونوں گھٹوں میں بڑے بڑے علماء ہیں۔ وہ اس تفریق میں سب سے آگے ہیں۔ جیسے رنجش اور مخالفت ہی مذہب کا اوّلین مقصد ہے۔ مولانا شوکت علی کے ساتھ ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ یہ حالات ہنگامی ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب ہندو اور مسلمان دونوں اپنی غلطی پر پچھتائیں گے۔ اگر انسانیت اور شرافت سے نہیں تو اپنی حفاظت کے لیے متحد ہونا ضروری سمجھیں گے۔

پرانے زمانے میں کسی طبقے کے مذہبی عقائد اور فلاحی کام

ہی اس کی تہذیب کے ضامن ہوتے تھے۔ خدمت اور قربانی
تہذیب کا اہم جز ہوا کرتی تھی۔ انقلابِ فرانس نے تہذیب کا جو
معیار قائم کیا ہے وہ انصاف، بھائی چارہ اور برابری ان تین
ستونوں پر قائم ہے۔

سب سے پہلے اسلام کو لیجیے۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں کسی
مذہب نے انصاف کو اتنا بلند مقام نہیں دیا ہے جتنا اسلام نے ہندو
مذہب اہنسا کی بنیادوں پر قائم ہے اور تہہ تک جائے تو انصاف
اور اہنسا ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ اہنسا کے بغیر انصاف اور
انصاف کے بغیر اہنسا کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

عرفات کے پہاڑ پر حضرت محمدؐ کے دہان مبارک سے جس
خطبے کی بارش ہوئی تھی وہ تا قیامت اسلامی زندگی کے لیے اکسیر کا
کام کرتا رہے گا اور اس خطبے کا بنیادی نقطہ کیا تھا: ''انصاف'' نا
انصافی نہ کرو اور اس سے بچتے رہو۔

حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے جو شخص دوسروں کا بھلا نہیں کرتا،
خدا اُس سے خوش نہیں ہوتا۔ یہ پُوری کائنات اللہ کا کنبہ ہے اور
وہی شخص اللہ کا پرستار ہے جو اس کے بندوں کے ساتھ نیکی کرتا
ہے۔

اس فرمان کی روشنی میں کشمیر کی تمدنی اور ثقافتی زندگی کا
مطالعہ کیجیے۔ ہزاروں سال پہلے سے یہی انصاف کا اصول کشمیر کا

رہا ہے۔

ریشیت اس ثقافتی انقلاب کی پیداوار ہے اور اسی ریشیت کو پیار سے لوگوں نے کشمیریت کا نام دیا ہے۔

یہی انسانی وقار کشمیر میں پنپتا رہا۔ اِس کو بہت بار طوفان کے تھپیڑوں نے نقصان پہنچایا ہے۔ مگر یہ تناور پیڑ اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ اس کی شاخیں بہت بار جلائی گئیں مگر ہر بسنت کے موسم میں اِس کی نئی شاخیں پھر نکل آئیں۔

پٹھان شاسن کال میں، مغل دور میں، سکھ حکمرانی میں کشمیریت کا تصوّر داو پر لگا ہے۔ مگر کشمیر کے جیالے لوگوں نے اس شمع کو بجھنے نہیں دیا۔ جس شمع کو راجا نیل سے لے کر للتا دیتہؒ، لیگوانن اونتی ورمن، زین العابدین بڈشاہ اور سلطان شہاب الدین نے جلائے رکھا تھا۔

جدید دور میں آزاد پہلا انقلابی شاعر سامنے آتا ہے جس نے ہندو مسلم ایکتا، بقائے باہمی اور رواداری و انقلاب کے نغمے گائے۔ مگر حالات کی ستم ظریفی نے آزاد کی وہ قدر نہیں کی جس کے وہ حقدار تھے۔ مگر اس کے باوجود اس ولولہ انگیز انقلابی کو کسی سے شکوہ نہیں۔ بلکہ وہ زمانے کی بے رُخی کا مذاق اُڑاتا ہے۔

بہ چھس خوش دوردوان زورشورن ہُند سہتھاہ چھم چاو
پکُن بے خوف تراؤن ردپھٹن کیاہ گوتھکُن کتھ ناو

پکُن بل آزماوُن چھُم پھساوُن مُشکلن اندر
یِوان چھُم زندگی ہُند سوز سفرن تہ منزلن اندر

ترجمہ:

میں اپنے آپ کو مشکلوں میں پھنسا دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔
میں بے خوف ہوکر دوڑنا پسند کرتا ہوں۔
میں مُشکلات دیکھ کر ڈرنے کے بجائے خوش ہوتا ہوں۔
مجھے زندگی کا آنند کشمکش کی زندگی گزارنے میں آتا ہے۔

لولس مخول موکہ، لولکہِ ترانہ والے۔
گیتا یہ کیاہ خطا کھوت ونتو قورانہ والے۔

اے زاہد مجھے بتاؤ ''گیتا'' میں تم نے کون سا ایسا نقطہ
دیکھا کہ تم اِس کے خلاف بولتے ہو۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ دین
میرا ''بھائی چارہ'' دھرم میری یگانگت ہے۔ میرا نورانہ سب
کے لیے۔ مجھے کسی میں تمیز کرنا نہیں آتا۔

کشمیری ادب کے رمز شناس شاعروں میں مہجور قدِ بالا
شاعر ہیں۔ مہجور حبِ وطن کے جذبہ سے سرشار تھا۔ وہ روایت
سازنئی قدروں کا شاعر تھا۔ رحمان راہی، مہجور و آزاد کی شاعری
کا تجزیہ اس تحریر میں کرتا ہے:

''مہجور کی جدت پسندی کے پیچھے روایتوں
کے ناکافی ہونے کا اس قدر گہرا احساس

اور نئی سرحدیں تلاش کرنے کی وہ جُرات
جس کا اندازہ ہم کو عبدالاحد آزاد کی
شاعری پڑھنے سے ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے
کہ آزاد کشمیری شاعری کا پہلا باغی شاعر
ہے جس نے روایتی موضوع اور ماضی کا
جانا پہچانا اندازِ بیان ایک طرف چھوڑ کر
اپنے دور کی پیچیدہ زندگی کی ترجمانی
کرنے کے لیے اعلیٰ پیمانے پر آوازیں
گرجتی ہیں۔ آزاد کا روشن ذہن عالمِ گیر
مساوات اور امن و سلامتی کے یقین کا
اظہار کرتا ہے۔ اس کی آزادی پسند رو
غلامی کی زنجریں کاٹنا چاہتی ہیں۔ اِس کا
انسان دوست ضمیر مذہبی تعصب اور سماجی
نابرابری دیکھ کر غصہ کرتا ہے۔ اِس کے
بعد ادب میں کشمیریت کا نیا سورج طلاع
ہوا۔ جس نے طلوع ہونے کے ساتھ ہی اد
یبوں کے علاوہ عوام الناس کو بھی اپنی
ضوفشانی سے منور کیا۔ اِس انتہا ہی قد آور
شاعر کا نام دینا ناتھ نادم تھا۔ نادم نئے

رجحان، نئی سوچ وفکر اور ترقی پسند انقلابی
آواز کے سرخیل بن گئے۔''

ابھی مہجورؔ کی حُب الوطنی کے ترانے مدھم بھی نہ پڑے تھے
کہ کشمیری ادب میں ایک زوردار گونج پیدا ہوئی۔ ہر کوئی سمجھنے لگا
کہ نادم کے بغل میں ایک بھونچال پل رہا ہے۔ ٹینگ نادمؔ کی
ایک ایک نظم حُب الوطنی اور کشمیریت کی داستان ہے۔ نادم کے
بعد شاعروں کا ایک کارواں ادبی میدان میں دکھائی پڑا جن کے
تخیل میں کشمیریت کے چراغ جلتے تھے۔

سیاسی سطح پر جب ہم کشمیریت کا مطالعہ کرتے ہیں تو نیل
مت پوران سے لے کر کلہن کی ''راج ترنگنی'' تک ہر کوئی راجا
ایک بات پر قائل نظر آتا ہے کہ ''وندے ماتر بھومی'' ہے کشمیر ماں
میں تم کو سلام کرتا ہوں، تمھارے سامنے جھکتا ہوں۔

راجا للتا دیتہؔ نے دور مشرق سے لے کر سنٹرل ایشیا تک
کے ممالک فتح کر لیے۔ راجا کا فرمان صادر ہوا کہ جب بچوں کو
پڑھانے یا اسکول بھیجنے کا وقت آئے تو پہلے ۵ قدم کشمیر کی طرف
چلو۔ کیوں کہ علم کی دیوی سرسوتی کا واس کشمیر میں ہی ہے۔

للتا دیتہؔ، میگوا ہن، اونتی ورمن، راجہ کلش، سوریہ متی،
کوٹ رانی، حبہ خاتون، وجیا نند ہر کسی نے حُب وطن کے گیت
گائے ہیں۔

زین العابدین بڈشاہ نے کشمیر کے ریشی مت کو سیاسی طاقت دے کر اُس کی افادیت میں اضافہ کیا۔ کشمیر کے صوفی سنتوں اور ریشیوں نے اِس پرمپرا کو دوام بخشا۔ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیرِ اعظم جواہر لال نہرو پارلیمنٹ میں دیا گیا بیان کافی اہم ہے:

''ہمارے پاس کوئی سلیٹ نہیں جس پر لکھا جائے ہم محدود ہیں۔ ہمارے لیے اقوامِ متحدہ، یہ بہانہ وہ بہانہ مانع عمل بن گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی بنیادی باتیں موجود ہیں جن کے بارے میں ہم نے اعلان کیا ہے۔ اور اگر نہیں کیا ہے تو بھی حقائق موجود ہیں۔ کشمیری عوام جن کو فیصلہ کرنا ہے۔ آپ ایسے علاقے سے نپٹ رہے ہیں جو تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے اور ہر طرح سے ایک مخصوص پس منظر کا حامل ہے۔ ہمیں دُور اندیش بننا پڑے گا اور کشادہ دلی سے حقائق کو تسلیم کرنا تاکہ حقیقت کو متحد کیا جا سکے۔

حقیقی اتحاد ذہن و دل سے پیدا ہوتا ہے۔

نہ کہ کسی قانونی دفعہ سے جو آپ غیروں پر
مسلط کریں۔''

Lok Sabha 26th June 1952

کلہن کشمیر کے لوگوں کی تعریف صرف ایک ہی جملے میں کرتے ہیں اور اس ایک لفظ میں اُس نے دفتروں کے دفتر کھول دیے ہیں:

''کشمیر کے لوگ دشمن سے نہیں بلکہ اپنے
بُرے اعمال سے ڈرتے ہیں۔''

کشمیریت کے بارے میں نقطہ دانوں کے تاثرات

کشمیر کے بارے میں دانشور حضرات اپنے اپنے ڈھنگ سے سوچتے ہیں۔ مثلاً:

''کشمیری قوم ایک قبیلہ ہے۔ اس قبیلے میں معاشی رشتے ہونے کے علاوہ علاقائی قربت بھی موجود ہے۔ اس قبیلے میں مختلف الخیال لوگ رہتے ہیں۔ صدیوں سے یہ قبیلہ ایک سانجھی زبان (کشمیری) بولتے ہیں۔ ان کے رسم و رواج ایک جیسے ہیں۔ ان کی ثقافت ایک جیسی ہے۔ کھان پان ایک جیسا اور پہناوا بھی ایک ہی طرح کا ہے۔

یہ کشمیریت کے فلسفے پر گامزن ہے۔ کشمیریت انسان دوستی اور بھائی چارہ کی بہت سندر فلسفی اور عملی زندگی کا نام ہے۔ ایک ہزار

سال سے یہ قومیں بھائی چارے کے بندھن میں بندھی آرہی ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے کہ یہ قبیلہ 1990ء کے یلغار میں تِتر بِتر ہوگیا۔ بھائی کو بھائی کی پہچان نہ رہ گئی۔ بستیوں کی بستیاں نظرِ آتش ہوگئیں۔

اگر ہم کیوبا کی مثال سامنے رکھیں، وہاں تین نسلیں بغیر کسی اعلان نامے کے شیر و شکر کی طرح رہ رہی ہیں۔ اس چھوٹے سے قبیلے امریکہ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا اور امریکہ ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکا۔

دنیا کے بہت سے ممالک میں سیاہ فام اور سفید نسل کے لوگ بھائیوں کی طرح رہ رہے ہیں۔

تو کشمیری قوم کشمیریت جیسے حیات پرور اصول کو ماننے والے کیسے ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ اس کی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ اس فلسفے میں سائنٹفک بنیاد (Scientific Base) نہیں تھی۔ جس کی وجہ سے لوگ اس فلسفے کے متن کو سمجھ نہیں سکے۔

''یوسف نیرنگ''

Gulam Nabi Azad

Chief Minister

To follow true spirit of Kashmiryat is obligatory on the part of people to see that communal harmony and brotherhood among different Regions of State is mantained at all costs. The diverse culture and traditions of the state is true identity if the state. Kashmiriat is unique example of the brotherhood and communal unity. It is a matter of great pride for all of us that whenever there was communal violence in any part of the country. There was hardly any impact in the state. Human values and brotherhood is still alive in the state despite many odds and turbulent situations.

(Ref. Excelsior of 16-05-2005)

Mohd. Yusuf Tarigami

"CULTURAL history of Kashmir" was the topic, which I happened to go through in a Delhi based journal. In this article the writer seemed to me, was all set to fire the term "Kashmiriat" saying Kashmiriat as it existed at all is primtive and rustic thought. Both Nunda Reshi & Lal Ded advocated withdrawal from mundane earthly scene, because they found atmosphere so chocking.

I was amazed to know how the writers present such things when they are not well convercent with the subject for example were Lalita Ditya,Awantiverman, Kalsha, Meghwahan rustic people who advocated and presented social order like Kashmiriat was writer of "Neelmat Puran" rustic who gave the idea of community living, love of mother land and common festivals. Kashmiri Muslims and Hindues have common "Sir names" even today as Koul, Raina, Pandit, Durani etc. Kashmiriat is the latest version of

Sofi-ism called Reshiat. Reshi cult existed in India thousands of years back, and it was transformed in to "Adytawad" by Lal Ded and Reshimat by Sheikh Noor-udin Reshi. Both the philosophical thoughts got their common name as Kashmiriat. The term Kashmiriat was used by writers, working class people and civil society in the last decade of 18th century. The great king Bud Shah advocated the unity move in allegience to great seer Nunda Reshi. The authoritative and synosure chapter on Kashmiriat written in 1947. Kashmiriat is a demonstration of three objective. Love for the people of the Land. Equality and brother hood among masses. Term Kashmiriat is not philosphy by it is the common name for two philosophies pretibijna philosophy propounded by Vasugupta and Reshi cult by Alam Dari Kashmir. If we loose the last string of this living legend of modern times, we will loose social order of the society.

ڈاکٹر بھوشن لعل کول ۔ ڈی. لِٹ

جہاں تک میری ذاتی رائے کا تعلق ہے میں کشمیریت کو کسی سیاست یا مذہب کے ساتھ نہیں جوڑتا۔ کشمیریت ایک عطر بیز گلاب کے مانند ہے۔ جس کی خوشبو ہر کوئی سونگھ سکتا ہے۔ گلاب کو کسی مخصوص باغ تک محدود رکھنا پاگل پن کے سِوا کچھ بھی نہیں ہے۔ کشمیریت ہزاروں سال کی پرمپرا کا نام ہے۔ جب کشمیر واسیوں نے اکٹھے رہنے اور جینے کا فیصلہ کرلیا۔ یہاں جو بھی فلسفی لہریں باہر کی فضاؤں کو مہکاتی کشمیر میں داخل ہوئیں مثلاً بودھ فلسفہ، اسلامی توحید یا تصوف ہم نے ہر کسی فِکری پہلو کو گلے لگایا۔ ہم اِن فلسفوں کی خوب صورتی میں زم ہوگئے۔ کشمیر کا صوفی ازم لیجیے۔ اس کی بناوٹ ایسی ہے جس کا مقابلہ عالمی سطح پر نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اس میں شیوسدھانت، ترکا فلسفہ، بدھ مت، ویدک رُچائیں ایسی ملی ہیں جیسے دودھ میں شکر۔

کشمیریت کشمیریوں کا عقیدہ ہے۔ یہ ہمارا وِہار اور سوچنے کا ڈھنگ ہے۔ یہ ہمارا اجتماعی نظریہ ہے۔ قوتِ برداشت کی کہانی ہے۔ ''جیو اور جینے دو'' کا اصول۔

مگر پچھلے 15 سال سے جو کشمیریت کا دعواٰ کیا جارہا ہے۔ میں اِس کو کشمیریت نہیں مانتا۔ یہ کشمیریت کے ساتھ ایک بھونڈا مذاق ہے اور کچھ نہیں۔

عبدالرحمان ویری (سابقہ منسٹر):

کشمیریت کا نام آتے ہی ماضی کی مہک ہمارے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے اور ہمارے تصور میں سرسوں کے لہلہاتے کھیت، بادام داری کے گلابی رنگ کے شگوفے اور ہرا بھرا سبزہ، آستانوں میں مولود کی مجالس، تیرتھ یاتراؤں کا تقدس، پُرسکون زندگی کی فراوانی، امن اور آشتی کا ماحول کلیڈس کوپ کے نظارے پیش کرتا ہے۔

میرے بچپن کا ایک واقعہ شائد میرے جذبات کی ترجمانی کرے۔ ہمارے آبائی گاؤں ویری نوبوگ کے آس پاس پنڈتوں کے دو تین گاؤں پڑتے ہیں۔ میں اکثر اِن ہمسایہ گھروں میں کھیلنے کو جاتا اور بہت سے پنڈت لڑکے میرے دوست تھے۔ مارچ کے مہینے میں جب زین الدین ولیؒ کا عرس منایا جاتا ہے۔ تو اُس شام کو ضلع اننت ناگ و پلوامہ کے سارے گاؤں ستاروں کا جھرمٹ سا لگتا تھا۔ وہ اس لیے کہ ہر گاؤں میں ہندو اور مسلمان ''پھردو'' جلاتے تھے۔ یعنی نور کا تصور دینے کے لیے اس کا استعمال ہوا کرتا تھا۔ ہر گاؤں اس نورانی برکت میں شامل ہوتا۔ دور سے دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوسرے گاؤں میں بجلی کے لاٹو جل رہے ہیں۔ ایک عجیب سماں بندھ جاتا تھا۔

دوسرے دِن گاؤں کے زن و مرد سری گفوارہ اور عیش مقام جاکر میلے میں شامل ہوتے اور میں نے بہت سی پنڈت ماتاؤں کو سری گفوارہ اور عیش مقام کی پاک زیارتوں پر صاف و پاک کپڑوں سے اس ولی کامل کی سیڑھیوں کو صاف کرتے دیکھا ہے۔

دوسرا اہم واقعہ جو اسی کڑی سے ملا ہے۔ اپنی اہمیت آج بھی منوار رہا ہے۔

مراز علاقے میں ریشی صاحب انت ناگ اور اللہ داد ریشی بجبہارہ کے عُرس کے دس دنوں میں کوئی بھی سماج کا فرد چاہے ہندو ہو مسلمان گوشت، انڈہ، پیاز، لہسن وغیرہ کا استعمال نہیں کرتا۔ لوگ فکرو ازکار میں محور رہتے ہیں۔

تیسری اہم بات جس کی طرف میں اِشارہ کر رہا ہوں وہ یہ کہ جب بہار کے موسم میں دھان کی بھُوائی یا موسمِ خزاں میں دھان کی کٹائی شروع ہوتی تھی۔ دونوں تہواروں کے دِن لوگ پہلے زین الدین ولیؒ کا بھوگ الگ رکھ کر کام شروع کرتے۔

یہی کشمیریت کا عملی پہلو ہے۔ انسان دوستی اور یگانگت اس کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ یہ طریقہ ہمارے اسلاف کا ورثہ ہے جس کو ہم نے دل کے درون خانے میں بسایا ہے۔ میرے خیال میں کشمیریت کی بنیادی سچائی یہی ہے۔

امرناتھ ویشنوی

کشمیریت تب تک ادھورا شبہ ہے جب تک اِس کے ساتھ ریشیت جوڑی نہ جائے۔ پُرانے زمانے یعنی ماضی قریب میں کشمیریت لفظ کا وجود ہی نہیں تھا۔ بلکہ ریشیت کا عشق ہر دِل میں موجزن تھا۔ پھر ریشیت کا نام کرن سنسکار ہوا اور اِس کو کشمیریت میں تبدیل کیا گیا۔ دراصل ایسا مصلحت پسندی کی وجہ سے ہوا۔ کشمیریت کا مطلب اگر ریشی فلسفہ ہے۔ اخلاقی، روحانی، تخلیقی، علمی اورادبی کاوشوں کا نچوڑ ہے تو یہ فلسفہ ہر کسی کو خاص کر اہلِ کشمیر کو چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان قابلِ قبول ہے۔ اگر اس کا مطلب کسی خاص جاتی یا فرقے کے مفادات کی رکھوالی کرنا ہے تو یہ فلسفہ مجھے منظور نہیں۔

ولی محمد بٹ (اسیرؔ کشتواڑی)

کشمیریت اگر روح ہے تو اِس کا جسم ڈوڈہ، بھدرواہ، کشتواڑ، رام بن اور بانہال ہے۔ میں یہ بات بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ ضلع ڈوڈہ میں آج تک کوئی فرقہ وارانہ فساد برپا نہیں ہوا۔ کسی ہندو استھاپن کے تقدس میں خلل نہیں آیا۔ آج بھی اس علاقے میں لوگ دیوالی کے دیے مِل کے جلاتے ہیں اور رام لیلا دیکھنے کے لیے ساری برادری (ہندو مسلمان) اکٹھی ہوتی ہے۔ عید کا متبرک تہوار سانجھے طریقے سے منایا جاتا ہے۔ ہندو اور مسلمان ناچ گانے میں شرکت کرتے ہیں۔ دعوتیں اُڑائی جاتی ہیں۔ اکٹھے پکوان کا مزہ چکھا جاتا ہے۔

ضلع ڈوڈہ کے مسلمانوں کے دلوں میں سرتھل ماتا کا تقدس آج بھی قائم ہے اور اہل ہنود اسرار صاحب کے آستانہ عالیہ پر حاضری دے کر مُرادیں پاتے ہیں۔

ضلع ڈوڈہ کے لوگوں نے ابھی تک انسانوں کو بانٹنے کا فارمُولا نہیں سیکھا ہے۔ اور نہ اِس کو سیکھنے کی کوئی ضرورت ہے۔ اس لیے میں دعوا کے ساتھ کہتا ہوں اگر آپ کو کشمیریت کے متن کا صحیح جائزہ لینا ہو تو ضلع ڈوڈہ اِس کی خوب صورت مثال ہے۔

ڈاکٹر رتن لعل شانت

کشمیریت کے تصور نے صدیوں تک عوام کے شعور اور لاشعور میں اپنی جگہ بنائی ہے۔ مگر اس کا کوئی اعلان نامہ صفحۂ قرطاس پر نہیں اُتارا گیا۔ بل کہ یہ تحریک اُن تعلیمات کا اثر ہے جو ویدانت، شیو درشن، بودھ فلسفہ اور اسلامی توحید سے حاصل ہوا ہے۔ یہ کہنا کہ کشمیر کا شیو درشن راجاؤں کے ایوانوں تک محدود رہا غلط ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ہمارے پاس ابھنیو گپت سے لے کر کھیم راج تک بڑے بڑے شیوی فلاسفر کہاں سے آتے۔ زمانۂ حال کے سوامی لکھشمن جو اشری اور ڈاکٹر بلجی ناتھ پنڈتا کہاں سے پرتبگھیا فلاسفی پر کتابیں تحریر کرتے۔ مشہور آچاریہ سوامی رام جی، مہتاب کاک سوامی ودھیادر اور بونہ کاک کس فلسفے کی کہانی تحریر کرتے۔

کشمیریت ہمارا تشخص ہے۔ یہ تصور ہماری پہچان ہے۔ یہ انسانی فلسفہ ہزاروں سال پُرانا ہے۔ جس طرح بھارت کے ہر پردیش کی الگ الگ پہچان ہے۔ اسی طرح کشمیریت کشمیریوں کی پہچان ہے۔

ڈاکٹر اگنی شیکھر

کشمیریت ہماری تہذیبی اور ثقافتی وِرِستا کا نام ہے۔ یہ کشمیر کی آتما کا سوروپ ہے۔ یہ دھارا ستی سر سے جُڑی ہوئی ہے۔

اس دھارا کا سوروپ دینے میں ناگ، پشاچ، بودھ، شیو، ویشنو اور اسلامی توحید کی سنسکرتی نے اپنا بھرپور حصّہ ادا کیا ہے۔

کشمیریت ''سرو دھرم سنبھاؤ'' سب دھرموں اور عقیدوں کو ماننے والے ایک ساتھ رہیں۔ کشمیریت بھید بھاؤ کے بغیر زندگی گزارنے کا حتمی فارمولا ہے۔ اسلام کے صوفی تصور نے اِس خیال کو جامعہ حالت میں پیش کرنے میں اہم بھومکا نبھائی ہے۔

کشمیریت کی جدید شناخت 1952ء کے بعد عوام سے متعارف ہوئی۔ اس سے پہلے کشمیر کو ریشی پرمپرا سے پہچانا جاتا تھا۔ اب اس تصور کو سیاسی پارٹیاں اپنے مخصوص انداز سے تاویلیں کر رہے ہیں۔

مثلاً نیشنل کانفرنس کی کشمیریت، PDP کی کشمیریت، حریت کانفرنس کی کشمیریت۔ ہر ایک سیاسی پارٹی اپنے مخصوص نظریہ کے تحت اس فلسفہ کا ترجمہ کرتی ہے جس کی وجہ سے اس تصور میں اختلاف کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر کے. ایل. چودھری

کشمیریت الگ تھلگ زندگی گزارنے کا نام ہے۔ اِس سلسلے، میں اگر ہم برنگیش ریشی کے ویستا مہاتم کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے۔ جہاں فاضل مصنف کہتا ہے کہ سارے تیرتھ صرف اوڑی تک ہیں۔ اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اوڑی سے آگے کوئی تیرتھ نہیں ہوگا۔ دراصل اُس کے پیچھے بھی یہی راز مضمر ہے کہ اپنے کو وادی تک محدود رکھو۔

یہاں کی جغرافیائی، واتاورن، پہاڑ، جھرنے اور موسم نے یہاں ایک سُندر روحانی دنیا بنانے کی ترغیب دے دی ہے۔ عالموں نے بھی اس نظریے کی تائید کی۔ ریشیوں اور پرہیز گاروں نے ہی کشمیریت کے کونپل کو پروان چڑھایا۔

مگر یہ تاریخی سچائی اپنی جگہ قائم ہے کہ کشمیریت کے جھنڈے تلے ہی 5 لاکھ لوگوں کو پلک جھپکتے ہی مہاجر ہونا پڑا۔ اور آج وہ لوگ جو ان مہاجروں کو واپس لینے کی باتیں کر رہے ہیں وہ بھی کشمیریت کے حوالے سے ہی بات کرتے ہیں۔

کشمیریت دراصل عام لوگوں کے بدلے سیاستدانوں کے دیوان خانوں کی رونق بنی ہے۔ اسی لیے میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے اس مضمون کے ساتھ زیادہ دلچسپی نہیں۔

پروفیسر مکھن لعل ٹکو (ملا)

سابقہ صدرِ شعبہ. ہسٹری

کشمیریت کو سمجھنے کے لیے تاریخ کا مطالعہ اہم ہے۔ خاص کر بیرونی سفیروں ہیون سانگ اد کانگ، البرونی، مارکوپولو، ال ادریسی، ال کازونی، فرانسس برنیر۔ ولیم مورکرافٹ اور رچرڈ ٹمپل وغیرہ کی تحریر کردہ دستاویزوں کا مطالعہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ سارے سفیر اور صاحبِ قلم حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ کشمیر میں مذہبی بنیادوں پر کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔ کشمیر کے سلطان فراخدل ہی نہیں بل کہ معیاری اخلاق کے مالک ہیں۔ بدھ مذہب کی زیادہ خانقاہیں ہندو دور میں تعمیر ہوئیں اور مسلمان شہنشاہوں جیسے سلطان شہاب الدین نے بجبہارہ میں ایک خوب صورت خانقاہ تعمیر کروائی۔ زین العابدین بڈشاہ نے ویدوں اور پرانوں کا ترجمہ فارسی میں کرایا۔ شوراتری کے دِن مسلمان اپنے دوستوں کے گھر جاکر اُن کو مبارک پیش کرتے اور سہہ بھوج کے شریک بنتے۔

شاستروں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر کی ایک مخصوص Position تھی. اور اِس کو کشمیر منڈل کے نام سے پکارتے تھے۔

کشمیریت کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ ماضی قریب تک

ہندو اور مسلمان عورتوں کے مشترکہ نام تھے۔ مثلاً ہی مال، کستور، دبدر، کنج، یمبرزول، اُرنی، پدماں، صاأبہ، مدر، روپھ وغیرہ۔
ہندو اور مسلمانوں کے سرنامے ابھی تک ایک جیسے ہیں۔ مثلاً کول، رینہ، واتل، پنڈت، ٹینگ، شال، بدٗر، دُرانی وغیرہ۔ یہی ہمارے مشترکہ تہذیب کا ثبوت ہے۔

Dr. D.N.Koul

Such phenomenon as Kashmiriat or collective culture, whatever there was out and out superficial, born of primtivity.
Nunda Reshi and Lal Ded found social atmosphere too choking and advocated withdrawal from wordly scene.
Shaiv philosophy prepounded by vasu Gupta never saw the hight of the day as it remained confined to Royal courts only.

غلام رسول حسرت گڈھ

جہاں تک سماجی فلسفہ دانوں اور اہلِ دانش کا خیال ہے اُن کی ایک مشترکہ رائے ہے کہ ملکی تصور کو صوبہ پرستی، ذات پرستی، رنگ ونسل کی تمیز کے بغیر فوقیت دینی چاہئے اور یہی تصور زمینی حقائق سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر ہم پنجابی، مراٹھی، راجستھانی اور کشمیری وغیرہ الجھنوں میں پھنس گئے تو ہم قومی تشخص کو زبردست نقصان پہنچا رہے ہیں۔ دنیا کے بڑے اور ترقی یافتہ ممالک کو لیجیے۔ وہاں لوگ صوبہ یا ذات سے اپنا تشخص نہیں باندھتے بل کہ وہ ملک وقوم کو مقدم رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر امریکہ، روس، چین، جاپان وغیرہ ممالک میں کسی سے پوچھیں آپ کون ہیں؟ جواب ملے گا امریکن یا رشین یا چینی وغیرہ۔ وہاں صوبوں اور ملکی اکائیوں پر توجہ نہیں دی جاتی۔ اور اسی ملکی وحدت کو سامنے رکھ کر علامہ اقبال نے بھی اِس کی گواہی دی ہے۔

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

اور میں بھی اس بات کو اپنے تصور اور فکری و ذہنی اُپج کے طور جائز مانتا ہوں۔

کتاب نامہ:

1-نیل مت پوران — Dr. Ved Kumar Ghai

2-راج ترنگنی — M.A.Stein

3-چارواک درشن — Banaras Hindu University

4-ریشیات — Rashid Nazki

Ancient India-5 — R.C.Mujamdar

6-کتاب الہند (ٹرانسلیشن) Albaroni

Historical Archaeology of Kashmir-7

Sardari Lal Shali

Kashmir Under Sultanate-8 — Fida Mohd. Hasnain

Studies in the Historical Geography of Ancient India-9

O.P.Bhardawaj

Cultural History of India-10 — Dr.S.K.Chatterji

11-یہ نئے راستے — رسالہ

Sofi Gulam Mohudin-12 — Kashir

Early History and culture of Kashmir-13

S.C.Ray

کتاب نامہ:

1. R.C.Mujumdar, Ancient India

2. M.A.Stein Raj Tarangne

3. Charwak Darshan Ilabad Hindu University

4. Dr. Ved Kumari Neelmata Puran

5. Kitabul Hind Al Baroni

6. Reshyat Rashid Nazki

7. Sardari Lal Shaali Recent Advances in Historical Archaeology of Kashmir

8. Fidah Mohd. Hasnain Kashmir Under Sultanate

9. Yeh Naye Rastey Journal

10. Sufi Gulam Mohu-din Kashir

11. Early History & Culture of Kashmir

-12. Dr. Farooq Fayaz Tareeq Adab Ta Kashir Zaban

13. Sheikh Noor-ud-Din Wali

REFERENCES FROM NILMATA PURANA by VED KUMARI GAI

Page no.	Ver.	VERSES	
140	550	रम्या शैलमयी कार्या कश्मीरा तां च पूजयेत् अभ्यङ्वस्त्रदानेन नैवेद्यं च निवेदयेत्।।	A beautiful stone image of Kashmira should be made and that should be worshiped by offering unguents, cloths and eatables.
143	560	दिने दैवज्ञनिर्दिष्टे क्षेत्रं कृत्वासुहृद्वृतः । पूजयेत् देवीं गोयुगं सुरभिंहयम् ।।	Having made the field ready on a day told by the astrologer, one, surrounded by the friends , should worship the goddess Earth, a pair of bulls, cow, horse….
28	106	तत्र मद्रेषु तीर्थानि सन्ति पुण्यानि मानद तथा च पर्वतश्रेष्ठे हिमवत्यचलोत्तमे ।।	O honour-giver, there are holy places of pilgrimage in Madra country and on the Himalaya_ the best of the Mountains.
30	113	उद्दाख्यस्तु महापुण्यः संगमाश्च पृथक् पृथक्। इरावत्यां तथा पुण्यं देविकायां तथैव च ।।	There are Kumbhavasunda possessed of holy water, the great river Visvamitra which is sacred always,(the river) called Udda which is highly sacred and the various confluences (of the rivrs). The religious merit (lies) in the Iravati and also in the Devika.
140	550	रम्या शैलमयी कार्या कश्मीरा तां च पूजयेत्। अभ्यङ्वस्त्रदानेन नैवेद्यं च निवेदयेत ।।	A beautiful stone image of Kashmira should be made and that should be worshiped by offering unguents, cloths and eatables
140	552	स्त्रीभिस्तु पूजा कर्तव्या मानुषैनं कथंचन। स्नाप्या स्त्रीभिर्भवेद्देवी कृष्णपक्षाष्टमीं तु तां।।	The worship should be performed by women, by no means by men. The Goddess Should be bathed by women on the 8th of the dark half of that month. Afterwards, she should be bathed by the twice-borns, from pitchers full of all medicines.

موہن لال آش

Printed at JK Offset Printers Delhi-6
Phones: 23241368, 23279852,